ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

ستمبر Sep 2024 جلد: 7 Vol: 7 شمارہ: 79 Issue: 79

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	**-/20**
سالانہ:	**-/220**
رجسٹرڈ ڈاک:	**-/350**
بیرونی ممالک:	**-/50** امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	**-/2000**

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
ڈاکٹر نادر المسدوسی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابو ہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	سلام اس پر۔۔۔۔۔ﷺ	احمد نور عینی	۷
۴	**صالحیت**	مولوی حبیب الرحمٰن	۸
۵	رب کو اسم محمد ﷺ میں نقطہ گوارا نہ ہوا اور ہم میلاد جلوس کا تقدس.....	پروفیسر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۱۱
۶	یوم اساتذہ کے موقعے پر	ڈاکٹر سراج احمد انصاری	۱۴
۷	خطوط نگاری کا منفرد رنگ و آہنگ مظہر امام کے خطوط نذیر فتح پوری....	ڈاکٹر احسان عالم	۱۷
۸	پریم چند کے افسانوں میں حقیقت نگاری	فائزہ عظیم احمد	۲۱
۹	**نعت پاک**	شاہد علی عدیلی	۲۵
۱۰	''انسانی ظلم کی مختلف شکلیں''	ایس۔ایم۔عارف حسین	۲۶
۱۱	**نظم ماں**	تجمل تاج فاطمہ	۲۷
۱۲	پری ناز اور پرندے ایک تنقیدی مطالعہ (تیسری قسط)	ڈاکٹر ناظر حسین خان	۲۸
۱۳	**نعت رسول** ﷺ	ڈاکٹر عمیر منظر	۳۳
۱۴	کتاب۔ ہماری بہترین دوست	فاطمہ بیگم	۳۴
۱۵	**غزل**	رہبر پرتاپ گڑھی	۳۴
۱۶	دختران ملت میں پھیلتا ارتداد	نازثناء نعمانی	۳۵
۱۷	**نعت مبارک**	رفعیہ نوشین	۳۶
۱۸	عمدہ اور انوکھی کتاب شاہین باغ کے نغمے کی رسم اجراء تقریب کا انعقاد	رفیعہ نوشین	۳۷
۱۹	آل انڈیا بزم رحمت عالم کا جلسہ میلاد النبی ﷺ	رپورٹ: نصر اللہ خان	۳۸
۲۰	**غزل**	محمد یاسین ہابیل	۳۹
۲۱	اللہ رب العزت کی طاقت بہت بڑی ہے اس کو سمجھنے کے لئے علم لازم ہے	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۴۰

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر **سید جلیل حسین ایم ڈی** (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا** انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمرالدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ماہ ستمبر 2024ء میں ماہ ربیع الاول ہے، اسی ماہ میں سید العالمین رحمۃ للعالمین کی ولادت باسعادت ہوئی ہے، اسی بنا پر پوری دنیا میں تقریباً ہر شخص حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا ذکر کرتے ہوئے نظر آرہا ہے۔ سنِ ولادت کو زمانۂ جاہلیت سے جانا جاتا ہے، کیوں کہ اس زمانہ میں عقائد، عبادات، معاشرت وغیرہ میں دنیا اپنے خالق و مالک سے بہت دور یا اس کے ساتھ شریک کر کے زندگی گزار رہی تھی، اسی جاہلیت کو نور سے منور کرنے کے لئے حضور پر نور ﷺ کو اس دنیا میں مبعوث کیا گیا۔ ظہور قدسی کے عنوان کے تحت علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

''آج کی صبح وہی صبح جاں نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی دور فرخ فال ہے۔ ارباب سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ ''آج کی رات ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتش کدۂ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہوگیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم شوکت روم، اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدۂ کفر، آزر کدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک میں مل گئے، شیراز مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے، توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستان سعادت میں بہار آگئی، آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو اقدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہؑ شاہِ حرم، حکمرانِ عرب فرماں روائے عالم، شہنشاہ کونین عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت وا جلال ہوا، اللھم صلّ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم (س، ش ص۱۲۰)

مرکز کے مجوزہ وقف ترمیمی بل کے خلاف پورے ملک میں جوش وخروش دکھائی دیا، جس کے نتیجے میں تین کروڑ سے زائد لوگوں نے مشترکہ پارلیمانی ورکنگ کمیٹی کو کیو آر کوڈ اسکیاننگ کر کے اپنی رائے ای میل اور دیگر ذرائع سے ارسال کیں، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور تمام اس مسئلے سے دلچسپی رکھنے والے شکریہ اور مبارک بادی کے مستحق ہیں، مذکورہ تعداد اتنی بڑی ہے کہ مشترکہ پارلیمانی ورکنگ کمیٹی کو نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ اس بل کو بل میں ڈال دیا جائے۔ مرکزی حکومت نے اس بل کو لا کر پورے ملک میں بے چینی کا ماحول پیدا کر دیا اور زبان حال وقال سے یہ قول ان پر ثبت ہوجاتا ہے کہ ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' وقف کی املاک اللہ کی ملکیت ہیں بدنیتی کا عمل خارجی ہو یا داخلی دونوں صورتوں میں قوم وملک اور ملت کے لئے نقصان دہ ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت کے اہم مرحلہ میں شفافیت عطا فرمائے اور ظالموں سے ہماری حفاظت فرمائے آمین۔

علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے کہ ''گر خیر کی طلب ہے تو خیر کے اسباب بنا پُل بنا، چاہ بنا، مسجد و تالاب بنا

مخلوقِ خدا کے لئے خیر کے اسباب کو بنانے کی ترغیب دی ہے، مگر لالچی اور دنیا کے بے جا حرص رکھنے والے خیر کے اسباب پر زبردستی عیاری، مکاری سے قبضہ کر لیتے ہیں، یہ دین ودنیا میں ذلیل ہونے کے راستے ہیں، تلنگانہ حکومت نے حیڈرا کے نام سے ایک ٹیم تشکیل دی ہے جو تالابوں، نالوں وغیرہ کی رکھوالی کر رہی ہے اور غیر مجاز قبضہ پر بلڈوزر چلا رہی ہے، یہ لائق تحسین عمل ہے، اس میں وقتی نقصان نظر آتا ہے مگر مستقبل میں اس کے نتائج عمدہ اور قابل تقلید ہوں گے۔

مشہور مبلغ عالم دین مولانا کلیم صدیقی اور ان کے رفقاء کار کو عمر قید یا دیگر سزاؤں کا لکھنؤ کی عدالت سے جو فرمان جاری ہوا ہے اس سے ہندوستانی اور دنیا کے مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچی ہے کیوں کہ مذہب اسلام جبر واکراہ کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کلیم صدیقی صاحب اور ان کے رفقاء کی غیبی مدد فرمائے اور زندان سے نجات دے آمین یارب العالمین۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

ایک بار ایک صحابیؓ جاہلیت کا اپنا ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی، عرب میں لڑکیوں کے مار ڈالنے کا کہیں کہیں دستور تھا، میں نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا، وہ ابا ابا کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا، اس بے دردی کو سن کر آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اس قصہ کو پھر دہراؤ'' ان صحابیؓ نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا، آپ ﷺ بے اختیار روئے یہاں تک کہ روتے روتے محاسنِ مبارک تر ہو گئے۔

حضرت عباسؓ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر باندھ دیئے تھے اور وہ درد سے کراہتے تھے، ان کے کراہنے کی آواز گوش مبارک میں بار بار پہنچ رہی تھی لیکن اس خیال سے ان کے ہاتھ نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے عزیز کے ساتھ غیر مساویانہ رحم دلی ہے؛ تاہم نیند نہیں آتی تھی، آپ ﷺ بے چین ہو ہو کر کروٹیں بدل رہے تھے، لوگوں نے بے قراری کا سبب سمجھ کر گرہیں ڈھیلی کر دیں، حضرت عباسؓ کی کرب اور بے چینی رفع ہوئی تو آپ ﷺ نے استراحت فرمایا۔

مصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھی، جو اسلام سے پہلے بہت ناز و نعمت میں پلے تھے، ان کے والدین بیش قیمت لباس ان کو پہناتے تھے، خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے، یہ دیکھ کر کہ لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے، والدین کی محبت دفعتاً عداوت سے بدل گئی، ایک دفعہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ مبارک میں اس حال میں آئے کہ وہ جسم جو حریر و قاقم میں ملبوس رہتا تھا، اس پر پیوند سے ایک کپڑا سالم نہ تھا، یہ پُر اثر منظر دیکھ کر آپ ﷺ آب دیدہ ہو گئے۔

عیادت وتعزیت وغم خواری وعزا: بیماروں کی عیادت میں دوست و دشمن، مومن و کافر کسی کی تخصیص نہ تھی، (سنن نسائی میں ہے: **کان النبی ﷺ أحسن شيء عيادة للمريض**) آنحضرت ﷺ بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال کرتے تھے۔ بخاری و ابوداؤد وغیرہ) میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپ ﷺ عیادت کو تشریف لے گئے۔

عبداللہؓ بن ثابت جب بیمار ہوئے اور آپ ﷺ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی، آواز دی، وہ خبر نہ ہوئے، فرمایا ''افسوس ابوالربیع تم پر ہمارا زور اب نہیں چلتا'' یہ سن کر عورتیں بے اختیار چیخ اٹھیں اور رونے لگیں، لوگوں نے روکا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اس وقت رونے دو، مرنے کے بعد البتہ رونا نہیں چاہیے''، عبداللہ بن ثابت کی لڑکی نے کہا، مجھ کو ان کی شہادت کی امید تھی، کیوں کہ جہاد کے سب سامان تیار کر لیتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔

حضرت جابرؓ بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا، پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے، ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر پیدل ان کی عیادت کو گئے، ان پر غشی طاری تھی، پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا، جابر ہوش میں آ گئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اپنا ترکہ کس کو دوں، اس پر یہ آیت اتری **يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُم**. (نساء-۴:۱۱)

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۳۱۲-۳۱۴)

سلام اس پر۔۔۔۔۔صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نتیجۂ فکر: احمد نور عینی
استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

سلام اس پر کہ جس کا دین کامل ہے مکمل ہے
سلام اس پر کہ جس کا منتظر تھا یہ جہاں کب سے
سلام اس پر کہ جس کے دم سے گلشن میں بہار آئی
سلام اس پر کہ جس نے لا الہ کی مے پلائی ہے
سلام اس پر سکھائے جس نے آئین جہاں بانی
سلام اس پر کہ جس نے زور باطل توڑ ڈالا تھا
سلام اس پر ہیں جس کے جملے شہ پارے بلاغت کے
سلام اس پر تعصب کے بتوں کو جس نے توڑا ہے
سلام اس پر کہ جو آیا تو پھر اک انقلاب آیا
سلام اس پر کہ جس کی مدح ہے غیروں کے بھی لب پر
سلام اس پر رسل نے جس کی آمد کی بشارت دی
سلام اس پر کہ جس نے عزت افزائی کی عورت کی
سلام اس پر کہ جس نے جنگ کے آداب سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے حق کی خاطر زخم ہیں کھائے
سلام اس پر کہ سب سے بہتر اسوہ، ذات ہے جس کی
سلام اس پر کہ جس کا خلق عالی ہے مثالی ہے
سلام اس پر کہ جس کا دل تھا گنجینہ محبت کا
سلام اس پر یتیموں کو جو سینے سے لگاتا تھا
سلام اس پر جو سارے کام اپنے خود ہی کرتا تھا
سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو معاف فرمایا
سلام اس پر کہ دشمن بھی جسے صادق کہا کرتے
سلام اس پر کہ جس کی رفعتوں کی زد میں ہے گردوں
سلام اس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں اذانوں میں
سلام اس پر جسے کفار مکہ بھی امیں کہتے
سلام اس پر کہ جس کے فیض سے ہر ذرہ سینائی
سلام اس پر جو آیا خاتم پیغمبراں بن کر
سلام اس پر کہ اسرا میں رسولوں کی امامت کی
سلام اس پر کہا جس نے کہ سب انساں برابر ہیں
سلام اس پر کہ جس کے سارے ہی اصحاب عادل ہیں
سلام اس پر کہ سمجھایا سلیقہ جس نے جینے کا
سلام اس پر سکھایا جس نے اچھا اور برا کیا ہے
سلام اس پر کہ جو سرتاج وسردار دو عالم ہے

سلام اس پر خدا کے بعد جس کی ذات افضل ہے
سلام اس پر کہا جس نے: لگاؤ لَو تو بس رب سے
سلام اس پر کہ جس سے ہم نے حق کی روشنی پائی
سلام اس پر کہ جس نے علم کی دولت لٹائی ہے
سلام اس پر غلاموں کو بھی بخشی جس نے سلطانی
سلام اس پر کہ جس نے دست ظالم موڑ ڈالا تھا
سلام اس پر کہ پردے چاک کر ڈالے جہالت کے
سلام اس پر اخوت کی لڑی میں سب کو جوڑا ہے
سلام اس پر کہ جو لے کر ہدایت کی کتاب آیا
سلام اس پر کہ جس کی ذات کا احسان ہے سب پر
سلام اس پر کہ سنگریزوں نے بھی جس کی شہادت دی
سلام اس پر نہیں تھی حرص جس کو کوئی دولت کی
سلام اس پر کہ جس نے امن کے پرچم ہیں لہرائے
سلام اس پر کہ جس پر دشمنوں نے تیر برسائے
سلام اس پر کہ سب سے سچی ہر ہر بات ہے جس کی
سلام اس پر کہ جس کی شان یکتا ہے نرالی ہے
سلام اس پر دیا رتبہ غلاموں کو بھی عزت کا
سلام اس پر جو محتاجوں کے گھر خود چل کے جاتا تھا
سلام اس پر کہ جو بس ایک اللہ ہی سے ڈرتا تھا
سلام اس پر کہ جس نے سب کے دل کو صاف فرمایا
سلام اس پر کہ پیرو جس کے باطل سے نہیں ڈرتے
سلام اس پر کہ ہم سب کا سبو چھ جس سے ہے جیحوں
سلام اس پر ہوئی معراج جس کی آسمانوں میں
سلام اس پر کہ اعدا بھی جسے روشن جبیں کہتے
سلام اس پر کہ جس کے رعب سے کہسار بھی رائی
سلام اس پر کہ جو آیا خدا کا ترجماں بن کر
سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کی بھی عیادت کی
سلام اس پر برہمن ہیں نہ جس کے دیں میں شودر ہیں
سلام اس پر کہ جس کے اہل بیت عظمت کے حامل ہیں
سلام اس پر کہ بتلایا طریقہ جس نے جینے کا
سلام اس پر بتایا جس نے کھوٹا اور کھرا کیا ہے
سلام اس پر کہ جس کی مدح جتنی بھی کریں کم ہے

سلام اس پر کہ جیسا کوئی آیا ہے نہ آئے گا
سلام اس پر کہ جس کا مرتبہ کوئی نہ پائے گا

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

صالحیت

۲) زکوٰۃ:

روپے پیسے سے انسان کی اکثر ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔روپیہ عموماً انسان کے گاڑے پسینے کی کمائی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی محبت انسان کے دل و دماغ پر غالب رہتی ہے۔اس کا ہاتھ سے نکلنا گوارہ نہیں ہوتا۔اس کی محبت' حقوق ادا کرنے سے روکتی ہے لیکن کوئی بہتر اور نہایت نفع بخش مطلوب ومقصود اس کے بدلے میں اگر حاصل ہوتا ہوتو انسان اس متاعِ عزیز کو بھی خوش دلی سے خرچ کردیتا ہے چونکہ مومن کا مقصود آخرت کی ابدی بھلائی اور آخرت کے درجے ہوتے ہیں،اس لئے اس کو زرومال کا ایک مقررہ شرعی حصہ خرچ کرنے میں ذرا دریغ نہیں ہوتا۔یہ حقیقتاً خرچ نہیں نفع کے ساتھ جمع ہے۔زکوٰۃ سے حبِ مال' نمود وشہرت' دوسروں پر احسان جتانا' جیسے مہلک جراثیم سے قلب پاک ہوجاتا ہے۔دیگر نفل صدقات کا منشاء بھی یہی ہے۔"یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى" (سورہ اللیل:18) ترجمہ: (وہ جس نے اپنا مال تزکیۂ نفس (گناہوں سے پاک ہونے) کے لئے دیا) اگرچہ زکوٰۃ وصدقات کا اسلامی' فطری نظام ہی بے روزگاری اور مزدور وسرمایہ دار کی کش مکش کا واحد قدرتی علاج ہے لیکن خرچ کرنے والوں کی نیت صرف اپنے نفس کا تزکیہ ہو۔

۳) روزہ:

نفس پر قابو رکھنے کی خاص مشق کا نام ہے جس میں کھانے پینے کے اوقات میں تبدیلی ہوتی ہے۔دن کے بجائے کھانے پینے کے لئے رات کا وقت شریعت اللہ کے حکم اور سنتِ رسولؐ کی طرف سے مقرر ہے۔جائز خواہشات پر قابو پانے کی سالانہ مشق سے انسان ناجائز خواہشات پر قابو پانے کے قابل بن جاتا ہے۔

آخرت کے نقصان سے محفوظ رہنے کی یہی صورت ہے کہ ناجائز خواہشات سے بندہ رُکا رہے۔نیز مومن' مردِ مجاہد ہوتا ہے۔حق کی راہ میں اسے بھوک و پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کی عادت نہ ہوتو معرکۂ حق و باطل کا وہ مرد مجاہد نہیں بن سکتا۔دین وایمان کی حفاظت و بقاء اور دین کی اشاعت کے سلسلہ میں بسا اوقات فقر و فاقہ کی بھی نوبت آجاتی ہے اگر مومن کو اس کی عادت نہ ہوتو وہ جہاد فی سبیل اللہ سے گریز کرتا رہے گا جس میں ضررِ آخرت ہے۔تقویٰ یہی ہے کہ انسان ضررِ آخرت سے بچتا رہے اور آخرت کا نفع حاصل کرنے میں پیش پیش رہے۔روزہ کا یہی مقصد ہے۔ ارشاد ہے۔"لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" (سورہ البقرہ:183) ترجمہ: تاکہ تم پرہیزگار بنو۔)

روزہ میں آخرت کے نفع کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ بھوک و پیاس کی حالت میں انسان میں عاجزی ومسکینی' الحاح وزاری پیدا ہوتی ہے اور نادار انسانوں کے فقروفاقے کی تکلیف کا احساس اور ان سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔بندہ کے یہ اوصاف حق تعالیٰ کو بہت پسند ہیں اور بندہ کو زیادہ سے زیادہ رحمتِ حق کا مستحق بناتے ہیں۔

''للصائم فرحتان فرحة عند فطرة وفرحة عند لقاء ربه'' ترجمہ:(روزہ دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک افطار کے وقت دوسرے رب سے ملاقات کے وقت۔) روزہ بڑی پُر لطف عبادت ہے' کھانا بھی عبادت' اور نہ کھانا بھی عبادت' دن کے اوقات میں نہ کھانا عبادت' غروب آفتاب کے بعد کھانا پینا عبادت۔

۴) حج:

یہ عبادت بھی اہلِ ثروت سے مخصوص ہے، جن کی زندگی فارغ البالی اور راحت و آرام میں گزرتی ہے وہ محنت و مشقت کے خوگر نہیں ہوتے۔ مومن جو مرد مجاہد بھی ہوتا ہے آرام طلبی کا مرض اس کے لئے ضرر رساں ہے۔ حج اس مرض کا علاج ہے، گھر بار' اہل وعیال' دوست واحباب کے تمام تعلقات سے منہ موڑ کر ایک مخصوص مہینہ میں سفر کی تمام کلفتوں (تکالیف) کو برداشت کر کے ایک خاص مقام پر حاضری اور جن عبادتوں کی عادت ہوگئی ہے ان سے زائد عبادتوں مثلاً طواف وسعی کی مصروفیت وغیرہ اللہ و رسولؐ کی محبت کے اظہار کا والہانہ طریقہ ہے۔ عمر بھر میں ایک بار اس کی فرضیّت' اللہ اور رسول کی محبت کے جانچنے کی ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے کھرا کھوٹا پہچانا جاتا ہے۔ مالدار جب تک اس معیار پر پورے نہ اتریں ان کا ایمان مقبول نہیں ہوسکتا۔

دنیا کے مختلف گوشوں میں بسنے والے' ایک ہی اللہ کے پرستار' ایک ہی دامنِ رحمت سے وابستہ' ایک ہی شمع کے پروانے' ایک ہی در کے بھکاری' ایک ہی جمالِ حق کے مشتاق' کشاں کشاں ایک ہی مقام پر' ایک ہی لباس' ایک ہی وضع قطع سے حاضر ہو کر ایک ہی رشتہ اخوت و محبت میں پروئے ہوئے دُر ہائے آبدار ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا اچھی عبادت ہے۔

اس فریضہ کی ادائی میں گھر سے نکل کر گھر واپس ہونے تک قدم قدم پر کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ مجنون ہوئے بغیر اس پُر خار وادی سے انسان نہیں گزر سکتا۔ شوقِ کعبہ کے بغیر راستے کے کانٹوں کی خلش بطیبِ خاطر گوارا نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے معلم حکمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی اور مجاہد کا ذکر ایک ساتھ فرمایا۔ (حدیث ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف کتاب مناسک)

۹) توبہ واستغفار

جب انسان سے کوئی قصور ہوجاتا ہے تو وہ نادم ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے۔ آئندہ غلطی نہ کرنے کا عزم کرتا ہے اس غلطی کی تلافی کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے قصور کی معافی چاہتا ہے۔ اس فطری جذبے کا نام قرآن میں توبہ و استغفار ہے۔ کوئی ایمان والا سوچ سمجھ کر غلطی نہیں کرتا' غلطی عمداً نہیں ہوتی' سہو و نادانی سے ہوتی ہے۔ کسی خوف یا فوری رغبت کے جذبے سے ہوجاتی ہے۔ ایسی غلطی کا نام معصیّت و گناہ ہے۔ اگر کوئی بُرا کام دنیا کا فائدہ کمانے کے لئے آخرت کے نقصان سے بے پروا ہو کر کیا جائے تو یہ اکتسابِ معصیّت ہے جو اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہونے کی علامت ہے' سرکشی ہے اور سنگینی میں کفر و شرک کے قریب ہے' نفاق ہے' سوچ سمجھ کر شوق و رغبت سے کسی معصیّت کو کرتے رہنا اس کو چھوڑنے کا عزم نہ کرنا ایمان کے بالکل خلاف ہے۔ سہواً' جہالت سے کبھی کبھی گناہ ہوجائے تو یہ ایمان اور اقرارِ عبدیّت کے منافی نہیں ہے۔ البتہ اکتسابِ معصیّت' اقرارِ عبدیّت کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے جو گناہ ہوجانے یا گناہ پر مطلع

ہوجانے کے بعد فوراً ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ "اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ " (سورہ النساء: 17) توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی شان ہے وہ تو ان ہی لوگوں کی توبہ ہے جو جہالت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں اور جلدی توبہ کر لیتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں (یعنی اُنکو اصلاح کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔) اگر چہ توبہ کی مہلت، موت تک ہے مگر قبولیت توبہ کا وعدہ فوری توبہ سے متعلق ہے۔ توبہ کے چار اجزاء ہیں (1) قصور کا اعتراف (2) ندامت و پچھتاوا (3) گناہ کو ترک کر کے اس کے آئندہ نہ کرنے کا عزم (4) عفو و مغفرت کی دعاء۔ ہر چند اطاعت و تسلیم، بندگی کا شیوہ ہے مگر یہ بھی بندگی کا شیوہ ہے کہ قصور ہوتے ہی توبہ کی جائے۔

توبہ دراصل اپنی عاجزی اور غلطی کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں سے عاجزی اور غلطی کے اعتراف کو بہت پسند فرماتے ہیں۔ بندے سے گناہ ہوتے ہی اس کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے۔ بندہ نادم ہو کر اپنے آپ پر ملامت کرتا ہے۔ حق تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میرے گناہ معاف کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ بندہ کا یہ عمل چونکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ بندہ پر رحم کرتے ہیں اور گناہ سے جو ظلمت پیدا ہوتی ہے اسے دور کر دیتے ہیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ" (اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) اس ارشاد کا یہی مطلب ہے اور اگر گناہ کے بعد دل میں خوفِ الٰہی نہ پیدا ہو تو یہ گناہ نہیں، سرکشی ہے۔

محض زبان سے توبہ توبہ، استغفر اللہ کہہ دینا توبہ نہیں جب تک دل سے قصور کا اعتراف نہ ہو دل میں ندامت نہ ہو۔ زندگی کے تمام کاروبار کا تعلق دل سے ہے بغیر دلی توجہ کے کوئی کام ٹھیک نہیں ہوتا۔ دینی کاموں کا بھی یہی حال ہے، دلی لگاؤ کے بغیر ذکر و عبادت میں کوئی ذوق نہیں، توبہ کے بعد گناہ سے کنارہ کشی یعنی عمل کی اصلاح ضروری ہے ورنہ وہ توبہ نہیں۔ "اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (سورہ الانعام: 54) ترجمہ: (جو شخص تم میں سے بُرا کام جہالت سے کر بیٹھے پھر وہ اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح بھی، تو اللہ مغفرت کرنے والے اور بڑی رحمت والے ہیں۔) توبہ کے بعد گناہ کو نہ چھوڑنا نفس کا فریب ہے توبہ کے بعد پھر کسی وقت گناہ ہو جائے تو یہ توبہ کے خلاف نہیں پھر توبہ کر لی جائے۔

اللہ تعالیٰ کے غفور و رحیم ہونے کا مطلب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان کے بعد غیر اسلامی زندگی گزار کر بھی وہ رحمت و مغفرتِ الٰہی کے مستحق ہو سکتے ہیں، ایسا خیال صحیح نہیں۔ جس طرح رزق ملنے کا اللہ نے ایک نظام مقرر فرما دیا ہے جس پر چلے بغیر انسان کو رزق نہیں ملتا۔ مثلاً زمین کی ہمواری، وقت پر تخم ریزی، آب پاشی وغیرہ کے بغیر کاشتکار رزق (غلہ) نہیں حاصل کر سکتا، اسی طرح مغفرت حاصل کرنے کا بھی اللہ تعالیٰ نے ایک نظام بنا دیا ہے جس پر عمل پیرا ہوئے بغیر انسان، حق تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

(ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص: ۱۲۸-۱۳۲)

☆☆☆

پروفیسر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی، کامل الحدیث جامعہ نظامیہ، (Osm)M.A., M.Com., Ph.D

رب کو اسم محمد ﷺ میں نقطہ گوارا نہ ہوا
اور ہم میلاد جلوس کا تقدس پامال کررہے ہیں

شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور پورے ادب و احترام کے ساتھ جلوس نکالنا صحابہ کرام کی سنت ہے جس کا ثبوت بے شمار احادیث میں ملتا ہے۔ جلوس نکالنے کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور انشاء اللہ العزیز تا صبح قیامت پوری آب وتاب کے ساتھ جاری وساری رہے گا۔ دنیا کے گوشے گوشے میں عید میلاد النبیؐ کے مبارک ومسعود موقع پر انتہائی تزک واحتشام، ادب واحترام اور شرعی اصول کی مکمل رعایت کرتے ہوئے درود وسلام، حمد ونعت سے مہکی ہوئی فضاء میں انتہائی پرامن طریقہ سے جلوس نکالا گیا جس میں کیف ومستی کا ایک سماع طاری تھا، آمد ورفت میں خلل واقع نہ ہو اس کا پورا پورا خیال رکھا گیا، غرباء ومساکین بیت المعمرین (اولڈ ایج ہوم) اور مریضوں میں اشیائے مایحتاج اور میوہ جات وادویات تقسیم کیے گیے، شجر کاری مہم چلائی گئی، رضا کارانہ طور پر بلڈ ڈونیشن (خون کا عطیہ) کیمپ قائم کیے گیے جس سے بھائی چارے اور انسانی محبت میں اضافہ کا پیغام ملتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ ایسے باوقار جلوس میں لوگ نادانستہ طور پر ایسے حرکات وافعال کا ارتکاب کررہے ہیں جو غیر اسلامی ہیں جس سے اجتناب حد درجہ ضروری ولازم ہے ورنہ ہماری اس غلط روش کے باعث نہ صرف ہمارے اعمال صالحہ ضائع ہونے کے امکانات قوی ہوجاتے ہیں بلکہ بسا اوقات نور ایمانی سے محروم ہونے کا خدشہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ رحمت عالمؐ کی زندگی کا ہر لمحہ روح افزا اور جاں گداز اور آپؐ سے منسوب تمام اشیاء رحمتوں و برکتوں کا برتو کامل اور ہدایت وتجلیات کا مھبط اکمل واجمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بزرگان دین محسن انسانیتؐ سے منسوب ہر شئی کا حد درجہ ادب واحترام کیا کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ کو سرور کونینؐ سے خاص نسبت حاصل ہے اسی باعث امام مالکؒ اشاہ بطحاؐ کی اس ہجرت گاہ کا اس قدر ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے کہ روایت میں آتا ہے کہ آپؒ حدود حرم مدنیمیں نہ پیر میں جوتی پہنا کرتے، نہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور نہ ہی قضائے حاجت کیا کرتے تھے محض اس خوف سے کہیں اس ارض مقدس کی توہین نہ ہوجائے۔ انہی بابرکت اشیاء میں سے ایک انتہائی اہمیت کا حامل میلاد النبیؐ کا جلوس ہے جس کی نسبت اس رحمت العالمین کے نام سے وابستہ ہے جن کا مبارک نام عرش پر رب کائنات کے ساتھ مکتوب ہے۔ وجہ تخلیق عالم سے منسوب میلاد النبیؐ کے جلوس کو دینی، ملی، مذہبی، تہذیبی، اخلاقی، روحانی الغرض ہر لحاظ سے امتیاز حاصل ہے جو دنیا کے کسی اور جلوس کو حاصل نہیں ہے۔ لیکن صد حیف کہ شیطانی وساوس، نفسانی خواہشات اور دنیا پرستی نے ہمیں اس قدرت اندھا بنادیا ہے کہ ہم نے محض اپنی شان وشوکت اور من مانی کا اظہار کرنے کے لیے میلاد النبیؐ جیسے

فیوض و برکات والے جلوس میں ادب و احترام کو ملحوظ رکھنے کے بجائے کرتب بازی، آتش بازی، ہلڑ بازی، رقص و سرور اور موسیقی کا ایسا استعمال کیا ہے جس سے یہود و نصاریٰ اور غیر مسلم حضرات بھی شرما جائیں۔ شدید محبت کے باعث جس نبی کے نام نامی اسم گرامی میں رب کو نقطہ گوارا نہ ہوا ہم نبی سے عشق کا دعوی بھی کرتے ہیں اور اپنے افعال قبیحہ کے ذریعہ اسی نبی کے نام سے منسوب میلاد جلوس کے تقدس کو پامال بھی کر رہے ہیں (العیاذ باللہ)۔ تمام علماء و مشائخ صراحتاً بتادیا کہ میلاد النبیؐ کے جلوس میں DJ کا استعمال غیر شرعی ہے اس کے باوجود نوجوانوں نے اس کا استعمال کیا اور ایک کار میں موجود DJ سسٹم کو آگ لگ گئی جس کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی، حالات کشیدہ ہوگیے اور بعض لوگوں کا مالی نقصان بھی ہوا۔ مشتعل نوجوان نے پولیس کی جانب سے نصب کردہ بریگیڈ کو توڑ رہے تھے جس کے بعد پولیس کو نوجوانوں کو منتشر کرنے کے لیے لاٹھی چارج کرنا پڑا ہے۔ افسوس صد افسوس بے ہودگی، بے نظمی اور بے ضابطگی کے یہ تمام واقعات اس نبیؐ کی ولادت کی خوشی میں نکالے گیے جلوس میں ہو رہے ہیں جس نبیؐ نے ہمیں نظم و ضبط کی تعلیم عنایت فرمائی ہے۔ فوج کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی میں نظم و ضبط پیدا کرنے کے لیے حکومت وقت کو کروڑہا روپیہ کا بجٹ خرچ کرنا پڑتا ہے تو دوسری طرف امت مسلمہ کو رسول رحمتؐ اس قدر منظم بنادیا کہ پیش امام صاحب تکبیر تحریمہ کہتے ہیں تو مقتدیوں کا لاکھوں کا مجمع بیک وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز کی ابتداء کرتے ہیں۔ صد حیف کہ اسی امت مرحومہ سے وابستہ نوجوانوں نے بعض مقامات پر میلاد النبیؐ کے جلوس کے درمیان بدنظمی کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے محکمہ پولیس کے اہلکاروں کو ان پر لاٹھیاں برسانی پڑیں۔ کس قدر معیوب بات ہے کہ جس نبیؐ کی آمد پر لوگ پھول کی پتیاں نچھاور کرتے تھے اسی نبیؐ کو ماننے والی قوم پر پولیس لاٹھیوں کا استعمال کر رہی ہے۔ آج اغیار ہماری اس اوچھی حرکتوں پر ہنس رہے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم خود کس قدر اسلامی تعلیمات اور تہذیب و تمدن کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں؟ کیا ہماری اس غلط روش کو دیکھ کر لوگ اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و ثقافت اور تمدن سے متاثر ہوں گے اور اگر جواب نفی میں ہے تو ہم اپنے آپ سے سوال کریں کہ ہم کیسے امیر المعروف و نہی عن المنکر کی مذہبی ذمہ داری سے عہدہ مبرا ہوں گے۔ جس نبیؐ نے میدان جنگ میں ہمیں نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے تاکہ حالتِ جنگ میں بھی نماز قضا نہ ہو اور ہمارا یہ حال ہے کہ مساجد سے اذانیں ہو رہی ہیں اور ہم مساجد کا رخ کرنے کے بجائے اپنے اوچھی حرکتوں میں مصروف ہیں۔ آج کے اس پر تعصب اور پر فتن دور میں بھی وطن عزیز ہندوستان میں بعض غیر مسلم حضرات ایسے ہیں جو اذان کی آواز سنتے ہی اپنی تقریر اور خطاب روک دیتے ہیں لیکن ہمیں اذان اور نماز کی ادائیگی کے لیے جلوس روکنے کی توفیق نہیں ہے۔ ہماری اس غلط روش کو بہانہ بنا کر اغیار بالخصوص مخالف مکاتب فکر کے افراد میلاد جلوس کو اپنی شدید تنقید و ملامت کا نشانہ بنا رہے ہیں اور جلوس نکالنے کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کی خدمت میں بس اتنا عرض کرنا ہے کہ حقیقی مومن تنقید برائے تنقید نہیں کرتا بلکہ وہ تنقید برائے تعمیر میں یقین رکھتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا کام یہ نہیں ہے کہ ہم کسی کو کافر یا مشرک کہیں بلکہ کافر و مشرک کو مسلمان بنانا ہماری مذہبی ذمہ داری ہے، کسی کو گمراہ و بدعتی کہنے کے لیے

ہمیں پیدا نہیں کیا گیا بلکہ گمراہ و بدعتی کو رشد و ہدایت کی راہ پر لانے اور اسے نیک بخت بنانے کے لیے ہمیں وجود بخشا گیا ہے۔ روزہ کا اصل مقصد نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھنا ہے لیکن بہت سارے روزہ دار ایسے ہیں جو سال کے بارہ مہینے بشمول رمضان المبارک جیسے بابرکت مہینے میں بھی نفسانی خواہشات کا شکار رہتے ہیں اس کو بنیاد بنا کر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ رمضان المبارک کے روزے ہی ترک کر دینا جانا چاہے بلکہ ہم نفسانی خواہشات کے اسیر لوگوں کو سمجھائیں گے نفسانی خواہشات کو پورا کرنے سے روزہ کے فوائد و برکات ختم ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح میلاد جلوس میں ہونے والے غیر اسلامی حرکات کی نشاندہی کرنا اور گمراہ نوجوان نسل کو ایسے حرکات و افعال سے بچنے کی تلقین و تاکید کرنا بحیثیت مسلمان ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ میلاد جلوس کے دوران مذکورہ بالا ہمارے افعال قبیحہ نہ صرف غیر انسانی اور غیر اسلامی ہے بلکہ صحابہ کرام کے طرز حیات کے بھی خلاف ہے جبکہ اللہ تعالی ہمیں صحابہ کی طرح ایمان لانے کا حکم دیتا ہے جس کا اظہار ہمارے تمام افکار و خیالات اور افعال و اعمال سے ہونا چاہیے۔ اگر آج مسلمانوں کی اکثریت نبی رحمتؐ سے منسوب اشیاء کا اسی طرح ادب واحترام کرتی جیسا صحابہ کرام نے کیا تھا تو ہماری یوں جگ ہنسائی نہ ہوتی۔ روایت میں مذکور ہے کہ نبی مکرم و محتشمؐ کا پیالہ ٹوٹ گیا تو حضرت انسؓ نے اس ٹوٹے ہوئے پیالہ کو جوڑنے کے لیے کسی عام شئی کا استعمال نہیں کیا بلکہ اس پیالہ کی قدر و قیمت کے مطابق اس پیالہ پر چاندی کا تار لگا دیا۔ صحابہ کرام کی مقدس جماعت پیغمبر اسلامؐ سے اس قدر والہانہ محبت رکھتی تھی کہ آپؐ کے لعاب دہن (تھوک)، پسینہ، وضو کا بچا ہوا پانی، اور خون کو بھی متبرک جانتے اور بغرض حصول برکت ان مبارک اشیاء سے مستفید ہوتے۔ مشہور صوفی شاعر حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپؐ کبھی میری طرف تشریف لائیں تو میں مسکین و ناداری اور عاجزی سے آپ کے نعلین مبارک کے نقش پر اپنی جان قربان کردوں گا۔ اور ایک طرف ہم ہیں جو دعوی عشق مصطفیٰؐ کا کرتے ہیں لیکن ہم آپؐ کے نام سے منسوب میلاد النبیؐ کے جلوس میں ادب واحترام کو ملحوظ خاطر نہ رکھا بلکہ طوفان بدتمیزی کی تمام حدود کو پھلانگ دیا۔ ایسی نازیبا حرکات کے ذریعہ ہم عشق رسولؐ کا دعوی نہیں کرسکتے بلکہ ہماری یہ غلط روش ہمارے تمام اعمال صالحہ بشمول، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور متبرک راتوں میں کی جانے والی عبادات کے عوض ملنے والے اجر عظیم کو ضائع کرنے کا سبب بنتی ہے لہٰذا ہمیں ایسے حرکات سے حد درجہ اجتناب کرنا ہوگا ورنہ دنیا و آخرت دنوں میں ہماری تباہی و بربادی یقینیہے۔ اگر ہم واقعتاً دنیا میں برکت اور آخرت میں نجات چاہتے ہیں تو بصد خلوص اور ادب واحترام کے ساتھ میلاد النبیؐ کے جلوس میں شرکت کریں ورنہ جس طرح علمائے کرام کا ارشاد مبارک ہے کہ متبرک راتوں میں جاگ کر ہلڑ بازیاں مچانے سے بہتر ہے کہ آدمی سو جائے کم از کم وہ برائیاں کمانے اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہونے سے بچا رہے گا اسی طرح میلاد النبیؐ کے جلوس میں شرکت کرکے بے ادبی کا مظاہرہ کرنے سے بہتر ہے کہ جلوس میں شرکت نہ کی جائے کم از کم اعمال صالحہ ضائع تو نہیں ہوں گے اور ہمارا ایمان بھی محفوظ رہے گا۔ آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بطفیل نعلین پاک مصطفیٰ اس ماہِ مبارک میں تمام مسلمانوں کو اپنی رحمت، مغفرت سے سرفراز فرمائے اور دوزخ سے نجات عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین طہٰ و یسین۔

ڈاکٹر سراج احمد انصاری۔غازیپور، یوپی

یوم اساتذہ کے موقعے پر

بنیادی سے اعلیٰ تعلیم تک کے سفر میں ایک انسان کی زندگی میں بہت سے اساتذہ کی کاوشیں کارفرماں ہوتی ہیں۔ یوم اساتذہ ایک ایسا جذباتی موقعہ ہے جب شاگردان اپنے اساتذہ کی خدمت میں خطوط، میسجز، فون کال یا بہ نفس نفیس مبارک باد پیش کرتے ہیں۔بعض تحائف بھی پیش کرتے ہیں ۔تحفہ معمولی شئے ہونے کے بعد بھی بڑی چیز ہے۔ ہمارا رب خالق کائنات ہے۔پوری دنیا کی پرورش و پرداخت کرتا ہے ۔ظاہری اور باطنی مخلوقات کے خورد ونوش کو مہیا کرتا ہے۔ پرندوں کو پرواز ، پودوں کو پھل پھول، جانوروں کو قوت اور انسانوں کو نطق عطا کرتا ہے۔رب کائنات کی طاقت کا اندازہ پرستان،شبستان یا زمین وآسمان کی مخلوق نہیں لگا سکتی۔جن و انس اس گمان میں ہے کہ اس کا رب نمازوں اور عبادتوں کا محتاج ہے۔وہ اس کی عبادت نہ کرے تو اس کی ربوبیت اور وقار کو خاصہ نقصان پہنچے گا۔ایسا قطعاً نہیں ہے۔ ہاں مگر وہ اخلاص وایثار کو محبوب رکھتا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ فہم وادراک رکھنے والی مخلوق پر اللہ کی نعمتوں کا احساس لازم ہے۔اشرف المخلوقات بنائے جانے کے عوض انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کا شکر گزار رہو۔اور مزید یہ کہ رضا اور قرب حاصل کرنے کے لیے اس کی عبادت بھی کرے۔

یوم اساتذہ کے متعلق ہمارا ذہن صاف ہونا چاہیے۔ چند لوگ اس دن کا مستحق والدین کو قرار دیتے ہیں تو کئی خدا کو تو کچھ پیغمبران کو۔آیئے ہم سمجھنے کی کوشش کریں کہ حقیقتاً اس دن کو کس کی خاطر مختص کیا گیا ہے۔اولاً حقیقی استاذ کی بات کی جائے تو تمام انسانوں کا معلم اللہ تعالیٰ ہے۔سورہ 'علق' میں ارشاد باریے تعالیٰ ہے ۔' علم الانسان مالم یعلم' ۔'سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا'۔سورہ 'بقرہ' میں ارشاد ہے۔'وعلم آدم الاسماء۔اور آدم کو اسماء سکھایا'۔قواعد کے اعتبار سے دنیا کی ہر چیز اسم ہے۔

تمام انبیاءؑ اور پیغمبران اللہ کا پیغام لے کر آئے اور اپنی اپنی قوم کو ڈر سنائے۔اللہ نے انہیں سکھایا اور انہوں نے اللہ کے بندوں کو۔ چودہ سو برس قبل ہمارے نبی پاک ﷺ کو باقاعدہ کتاب کے ساتھ معلم بنا کر بھیجا گیا۔آپ فرماتے ہیں 'انما بعثت معلما'۔اس طرح دنیا میں ہم سب کے استاذ ہمارے پیارے نبی محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔علم کا ماخذ خدا ہے۔ وہاں سے ہوتے ہوئے ہم تک علم کے پہنچنے میں بے شمار اساتذہ بشمول والدین کی محنت شاقہ شامل ہے۔

یوم اساتذہ،صرف ان اساتذہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کا دن ہے جن سے ہم نے براہ راست علم حاصل کیا ہے۔جن کی درسگاہوں نے ہمیں خاک سے اطلس وکم خواب میں تبدیل کر دیا۔جن کی کاوشیں پستی سے بلندی کے سفر میں مدد ومعاون ثابت ہوئیں۔ ہر طالب علم کو یوم اساتذہ کے موقعے پر استاذ کو گفٹ دینے کی خواہش ہوتی ہے۔لیکن ذہن

مناسب اور شایان شان تحفہ تلاش کرنے میں قاصر ہوتا ہے۔ناچیز بھی اسی فکر میں منہمک ہے کہ ان کی بارگاہ میں کون سا تحفہ پیش کیا جائے۔

ہر خاص و عام کی رائے ہے کہ کسی شخص کی کامیابی پر ماں باپ کے بعد سب سے زیادہ دلی مسرت کا اظہار کرنے والا استاد ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کامیابی کی مختلف نوعیت ہوتی ہے۔طلبہ جب برسر روزگار ہوتے ہیں تو اساتذہ کی باری والدین کے بعد آتی ہے۔ لیک بعض دفعہ والدین کو بچے کی کامیابی کا احساس تک نہیں ہوتا اور اساتذہ بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ایک ذاتی مثال سے اپنی بات کو سمجھانا چاہتا ہوں۔کاشی ودیا پیٹھ، وارانسی کے سیمینار میں مقالہ پیش کرنے کے لیے میں نے پہلی بار مضمون تحریر کیا تھا۔ یا جب پہلی دفعہ میرا مضمون اردو دنیا میں شائع ہوا تھا۔اس کی اہمیت و افادیت کو والدین یا اہل خانہ کو سمجھنا محال تھا۔ان امثال سے کسی طالب علم کی تحریری یا تقریری صلاحیت کی طرف آپ کے ذہن کو مرکوز کرنا چاہتا ہوں۔ایسی کامیابی پر صرف اساتذہ ہی مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم گاہوں میں اساتذہ طلبہ کی علمی صلاحیت کو اضافہ کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ جامعات کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ یہاں علمی صلاحیت کے ساتھ طلبہ کی تحریری، تقریری اور فکری اہلیت کو بھی تقویت ملتی ہے۔ اساتذہ تعلیم و تعلم کا بار اٹھانے کے علاوہ اپنی تخلیقی یا تنقیدی لیاقت کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں۔ان معماروں کا یہ دیرینہ خواب ہوتا ہے کہ ان کے طلبہ اس تحریری وراثت کو آئندہ نسل تک پہنچائیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے۔البتہ انہیں نئی نسل کے حوالے سے کم مائیگی کا احساس ہونے لگا ہے۔ بیشتر اس امر سے متفق ہیں کہ موبائل نے انہیں مطالعے سے بعید کر دیا ہے۔راقم کا ذاتی تجربہ ہے کہ مطالعہ کے بغیر تحریری یا تقریری مہارت صیقل نہیں ہوسکتی۔گر واقعی ہم اپنے اساتذہ کو مبارک باد پیش کرنا چاہتے ہیں، ان کی خوشی اور اطمینان کی فکر ہے تو آؤ کتابوں کے مطالعے کا شوق پیدا کریں۔موبائل پر بیجا وقت گزاری کا مشغلہ ختم کریں۔گھنٹوں سوشل میڈیا پر اسکرول اپ اسکرول ڈاؤن کرنا بند کریں۔شارٹ ویڈیو سے تلذذ حاصل کرنے کی بجائے کتابوں کی عبارتوں میں خود کا اور معاشرے کا مستقبل تلاش کریں۔غیر ضروری باتوں میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے ادب، سماجیات، معیشت، تاریخ اور دیگر علوم (جہاں تک ہماری رسائی ہو) کا مطالعہ کریں۔

ڈاکٹر اقبالؔ نے کہا تھا۔

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھکو
سکوت لال و گل سے کلام پیدا کر

میں تعلیم یافتہ عوام سے مخاطب ہوں۔تعلیم حاصل کرنے والا ہر شخص ملک وملت اور سماج و معاشرت کی خدمت کی نصیحت اپنے استاد سے ضرور حاصل کیا ہوگا۔حصول علم کے بعد انسان کے کاندھوں پر ضروریات زندگی کے علاوہ سماج کی رہنمائی کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے۔مسلمانوں کا علمی، معاشی اور سماجیاتی تجزیہ کرنے والی سچر کمیٹی کہتی ہے کہ 'ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت دلت سے بھی بدتر ہے۔' میرے اثبات و نفی سے اس رپورٹ کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ہم مانیں یا نہ مانیں دنیا وہی جانتی ہے جو رپورٹ کے

اعداد وشمار کہتے ہیں۔اس کے بعد بھی ہم خوب آرام سے معمول کے مطابق بغیر کسی طرح کے ڈسٹرونس کے نیند پوری کررہے ہیں۔ شاید ہم نے اپنے آپ کو اپنی ذات سے منسلک کرلیا ہے۔

ہم ایک امت یا ایک قوم ہوکر نہیں بلکہ فرد کی حیثیت سے سوچتے اور غور وفکر کرتے ہیں۔ درجہ دوم کے کبوتر اور شکاری کی کہانی تو سب نے پڑھی ہوگی؟۔ کبوتر اگر علیحدہ علیحدہ زور لگاتے تو شاید وہ جال لے کر نہیں اڑ پاتے۔انہوں نے ایک ساتھ مل کر دم لگایا اور اپنی زندگی کو شکاری سے محفوظ کرلیا۔ ہم علیحدہ علیحدہ اپنی ذات پر محنت کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ دو سگے بھائی بھی صرف اپنی بیوی بچوں میں مشغول ہیں۔آمدنی سے زیادہ خود کے اخراجات طئے کر لیے ہیں۔ہمیں ایک امت ایک قوم بن کر رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن ہم نے خود کو تبدیل کرلیا۔

ہر مسلمان سن کر یا پڑھ کر اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اس کی تاریخ تابناک رہی ہے۔اس کی کتاب اور دین وایمان سچا ہے۔اس کے نبی ﷺ کے کردار کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔اس کے اکابرین نے نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا پر حکومت کی ہے۔

آج جس حال میں ہم پوری دنیا میں ہیں کیا ہمیں اس پر نادم نہیں ہونا چاہیے۔جس شخص کو ہمارے متعلق کوئی علم نہیں ہے وہ بھی قومی چینل پر بیٹھ کر ہماری دہائی دیتا ہے۔اے قوم کے تعلیم یافتہ لوگو! ہوش کے ناخون لو،خواب غفلت سے خود کو بیدار کرو، خدا کے احکامات، نبی کی سنتوں اور اکابرین کی تاریخ کا مطالعہ کرو۔آؤ مل کر ہر محلّہ، گاؤں، قصبہ، شہر میں تحریکی کام شروع کریں۔اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت، کردار، اخلاق اور ان کے معاشی انتظامات کو مستحکم بنانے کی کوشش کریں۔اب کچھ نہیں ہوسکتا، ہم کیا کریں، یہ سدھرنے والی قوم نہیں ہے وغیرہ وغیرہ کلمات اپنی زبان سے ادا کر کے ہم اپنی ذمہ داریوں سے بری نہیں ہوسکتے۔ہمیں اس وقت تک کوشش کرنی چاہیے جب تک روح اور جسم کا رشتہ قائم ہے۔ دور حاضر میں ہر دوسرا شخص امبانی اور اڈانی بننے کا خواب دیکھتا ہے۔دیکھنا بھی چاہیے لیکن اس بات کو سمجھنا اشد ضروری ہے کہ دولت اور شہرت کی طمع زندگی بھر ختم نہیں ہوتی۔اس دنیا میں قارون، شداد اور فرعون کی بھی تاریخ ہے جسے ہم سب بخوبی جانتے ہیں۔

آزادی کے ۷۵ برس کے بعد بھی ہم جس کیفیت میں مبطلہ ہیں اگر یہ کیفیت آزادی سے قبل رہی ہوتی تو ملک آزادی جیسی نعمت سے محروم رہ گیا ہوتا۔ ہمارا دیش آزاد نہ ہوا ہوتا۔ ہمارے بزرگوں نے دیش کو آزاد کرانے کے لیے ایک قوم ہوکر جدوجہد کیا۔اس کے علاوہ اس دنیا میں جس کسی نے بھی نام کمایا ہے اپنی راتوں کی نیند کو حرام اور دن کے سکون کو بے سکونی میں تبدیل کیا ہے۔ اے دوستو! آؤ ہم اپنے اساتذہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے تحائف کا انتظام کریں۔ میں نے تو اس کی ابتدا کر دی ہے۔آپ کو بھی دعوت حق دیتا ہوں کہ آئیں ہم سب مل کر ملت کے چہرے پر لگی بدنما داغ کو صاف کریں۔اپنے کردار، اخلاق، کارکردگی اور محنت سے اپنی قوم کی وقعت اور عزت میں اضافہ کریں۔ ملک کا رہبر، معمار، مددگار اور خدمت گار بنیں۔ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔شکریہ

☆☆☆

ڈاکٹر احسان عالم۔ پرنسپل الحراء پبلک اسکول، دربھنگہ

خطوط نگاری کا منفرد رنگ و آہنگ
مظہر امام کے خطوط نذیر فتح پوری کے نام

''مظہر امام کے خطوط نذیر فتح پوری کے نام'' خطوط پر محیط ایک ایسی کتاب ہے جسے ڈاکٹر منصور خوشتر نے ترتیب دیا ہے۔ کتاب کے سلسلہ میں کچھ تحریر رقم کروں اس سے قبل خطوط نگاری کی روایت پر کچھ باتیں قارئین کی خدمت میں پیش کر دینا لازمی سمجھتا ہوں۔

خطوط نگاری کی روایت کافی پرانی ہے۔ اسلام سے قبل بھی اس کا رواج تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے خطوط جو اشاعت دین کے لئے لکھے گئے وہ آج بھی موجود ہے۔ حضور ﷺ نے کئی حکمرانوں کو دین کی دعوت کے لئے خطوط لکھوائے۔ وہ تمام خطوط سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ عہد خلافت راشدہ، عہد امیہ اور عہد عباسی میں بھی اس طرح کے خطوط کی روایت ملتی ہے۔ ہندوستان میں عہد مغلیہ میں رقعات نگاری کا باضابطہ شعبہ قائم تھا۔ اس کے علاوہ بھی خطوط لکھے جاتے رہے ہیں۔

خطوط کی کئی قسمیں ہوسکتی ہیں۔ مذہبی، سیاسی، شاہی خطوط، ادبی خطوط وغیرہ۔ ہر قسم کے خطوط مختلف زبانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اردو زبان میں بھی خطوط نگاری کی مستحکم روایت موجود ہے۔ غالب کے خطوط کو بڑی شہرت حاصل رہی ہے۔ ان کے خطوط کے دو مجموعے ''عود ہندی'' اور ''اردوئے معلیٰ'' اردو ادب کے شاہکار ہیں۔ اسی طرح خطوط سرسید، خطوط نواب محسن الملک، خطوط محمد حسین آزاد، خطوط ڈپٹی نذیر احمد، خطوط علامہ شبلی نعمانی وغیرہ اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے وہ خطوط جو ''غبار خاطر'' میں ہیں ان خطوط کو بھی بڑی ادبی حیثیت حاصل ہے۔

خطوط کے کوئی خاص اصول اور اسلوب متعین نہیں ہیں۔ خصوصاً نجی خطوط سادہ اسلوب میں لکھے جاتے تھے۔ یہ مکتوب نگار کے مزاج اور اسلوب نگارش پر منحصر کرتا ہے۔ خطوط سے مکتوب نگار کی شخصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ہم کسی مصنف کے خطوط سے ان کے خیالات اور دلی کیفیات و جذبات سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ بات جو عام طور پر نہیں کہی جاتی ہے وہ خطوط میں بے تکلف لکھے جاتے ہیں۔ خطوط نگاری میں مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی شخصیت اہم ہوتی ہے۔ لیکن عام طور پر مکتوب الیہ کی شخصیت زیادہ اہم ہوتی ہے اس لئے بعض موقعوں پر مکتوب نگار مکتوب الیہ کی شخصیت کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ادبی خطوط نگاری میں اس کی مثال دیکھی جاسکتی ہے۔

خطوط نگاری ایک اہم صنف ہے لیکن افسوس کہ یہ صنف اختتام پذیر ہوتی جارہی ہے۔ اس کی جگہ واٹس ایپ، فیس بک، انسٹا گرام، ٹیوٹر، ای۔میل اور دیگر کئی انٹرنیٹ

ایپلیکیشن نے لے لی ہے۔نئی نسل کو خط کے بارے میں کوئی جانکاری نہیں ہے۔خط لکھنے کے لئے وہ کاغذ اور قلم کا استعمال معیوب سمجھتے ہیں ۔ایسے پر آشوب دور میں مظہر امام کے خطوط جو نذیر فتح پوری کے نام تحریر کئے ہیں ڈاکٹر منصور خوشتر نے یکجا کر کے اسی کتابی صورت عطا کی ہے۔اس طرح یہ کتاب نئی نسل کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ اور سرمایہ کا درجہ رکھتی ہے۔''عرض مرتب''میں ڈاکٹر منصور خوشتر لکھتے ہیں:

''مظہر امام صاحب کے تحریر کردہ خطوط جو نذیر فتح پوری کے نام وقتاً فوقتاً لکھے گئے انہیں شائع کرنے کا حکم نذیر فتح پوری صاحب کا ہے اس لئے میں نے اسے شائع کروانا ضروری سمجھا۔ نذیر فتح پوری ایک مخلص انسان اور بلند پایہ فنکار ہیں۔ ایک سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔اپنی گفتگو کے ذریعہ وہ لوگوں کو متاثر کرتے ہیں۔''(ص:7)

نذیر فتح پوری''مظہر امام پونے میں'' کے عنوان سے پونے کی یادوں کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مظہر امام مظہر امام جب پونہ آئے تو مرحوم دلدار ہاشمی کے ساتھ میں ان سے ملاقات کے لئے ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوا۔تعارف کے بعد پونہ کے علمی، ادبی ، ثقافتی و سیاسی حالات جاننے کے لئے انہوں نے مختلف سوالات کئے ۔ دلدار ہاشمی نے ان کے اکثر سوالوں کا تفصیلی جواب دیا۔انہوں نے بتایا پونہ میں تقریباً چالیس شاعر موجود ہیں۔یہاں مشاعرے ہوتے ہیں۔ادبی محفلوں کا انعقاد بھی ہوتا ہے۔مظہر امام کو یہ جان کر بیحد مسرت ہوئی کہ پونہ میں اردو اسکول کثرت سے موجود ہیں اور ان اسکولوں کا خرچ پونہ کارپوریشن کی جانب سے ادا کیا جاتا ہے۔

مظہر امام کی شعری اور تنقیدی تخلیقات کے علاوہ پونے سے متعلق ایک مضمون''پونے:بکھری بکھری یادیں'' کا تذکرہ نذیر فتح پوری صاحب بڑے خوبصورت الفاظ میں اس طرح کرتے ہیں:

''مظہر امام کی شعری اور تنقیدی دونوں حیثیت مسلم ہے ۔ان کی شاعری کے پانچ مجموعے چھپ چکے ہیں۔ ان کے تنقیدی اور تحقیقی مضامین اردو کے مؤقر رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔تنقیدی مضامین کی دو کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ان کی ملاقاتوں اور یادداشتوں کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ رابطہ دہلی نے خوبصورت''مظہر امام نمبر'' شائع کیا ہے۔ ''نصف ملاقات'' کے عنوان سے ڈاکٹر امام اعظم نے مشاہیر کے ان خطوط کو مرتب کیا ہے جو مظہر امام کے نام ہیں۔''مظہر امام کی تخلیقات کا تنقیدی مطالعہ'' بھی ڈاکٹر امام اعظم نے پیش کیا ہے۔ پروفیسر محمد رضا کاظمی نے مظہر امام کی تنقید نگاری پر کتاب شائع کی ہے ۔مظہر امام کو ملک کی اردو اکیڈمیوں نے ان کی کتابوں پر انعام سے نوازا۔ دلّی اردو اکیڈمی نے ایوارڈ دیا۔ یہاں سے جانے کے بعد بھی پونہ سے مظہر امام کا تعلق کم نہیں ہوا ۔ وہ اپنی مراسلت کے توسط سے آج بھی اپنی خیریت دیتے ہیں اور پونہ والوں کی خریت معلوم کرتے رہتے ہیں۔ پونہ سے متعلق ایک مضمون''پونے۔ بکھری

بکھری یادیں'' بھی لکھا ہے۔''(ص:10)

مظہر امام اردو زبان وادب کا ایک توانا نام ہے۔ موصوف نے نذیر فتح پوری کے نام بہت سے خطوط لکھے۔ اس کی وجہ موصوف کا نذیر فتح پوری صاحب کی شخصیت سے متاثر ہونا بھی ہے۔نذیر فتح پوری کی شخصیت اور فنکارانہ صلاحیتوں پر قلم فرسائی کرتے ہوئے مظہر امام لکھتے ہیں:

''نذیر فتح پوری اردو شعروادب کی ایسی شخصیت ہیں جن سے ایک بار ملنے کے بعد ہی ان کے ادبی اور علمی خلوص کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ میں انہیں ۱۹۷۸ء سے جانتا ہوں جب چند ماہ کے لئے میرا قیام پونا کے ''فلم اینڈ ٹیلی ویژن انسٹی ٹیوٹ'' میں تھا۔ میں نے ہمیشہ انہیں اپنے آپ سے قریب محسوس کیا۔ وہ سرتاپا ادب ہیں اور پونے میں اردو زبان وادب کی ترقی اور ترویج میں ان کی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ان کی تصنیفات و تالیفات کی ایک بڑی تعداد ہے۔نذیر فتح پوری کی نئی کتاب ''پونے میں اردو افسانہ : ایک تحقیق'' (۱۹۲۳ء تا حال) ایک بالکل نئے موضوع کا احاطہ کرتی ہے اور مصنف کی دقّت نظر اور صلابت فکر کی آئینہ دار ہے۔''(ص:15)

اس کے بعد مظہر امام کے خطوط کا سلسلہ ہے جو انہوں نے نذیر فتح پوری کے نام لکھا۔کل خطوط کی تعداد 31 ہے۔ زیادہ تر خطوط ادبی نوعیت کے ہیں ۔ کچھ خطوط میں ذاتی باتیں بھی ہیں۔نمونے کے طور پر مظہر امام کے دو مختصر خطوط نقل کرتا ہوں جس سے قارئین اور نئی نسل کے نوجوان خط لکھنے کے طریقے سے محظوظ ہوسکیں:

☆ مظہر امام، پونا ۷؍دسمبر ۷۸

برادرم نذیر صاحب! سلام خلوص

آپ کا نوازش نامہ سری نگر سے روانگی کے عین قبل مل گیا تھا۔شکر گذار ہوں۔

میں ۳؍کو یہاں پہنچا۔ اس دوران کچھ طبیعت سست رہی۔ میں یہاں اجنبی ہوں ۔اس لئے خود آپ کے پاس حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔ اگر آپ زحمت کریں تو بڑی عنایت ہو۔میں اتوار کو تین اور پانچ کے درمیان آپ کا انتظار کروں گا۔بمبئی یا اجنتا ایلورا جانے کا پروگرام بھی بن رہا ہے۔ کیوں کہ تین دن کی چھٹیاں ہیں۔لیکن میرے جانے کا امکان کم ہے۔اگر بہ فرض محال میں موجود نہ رہا تو مجھے معاف کردیجئے گا۔لیکن ۹۰؍فیصد امکان ہے میں اتوار کو وقت مقررہ پر موجود رہوں گا۔اور دنوں میں بھی عموماً چھ اور آٹھ بجے شب کے درمیان ملاقات ہوسکتی ہے۔

میں تیسری منزل پر کمرہ نمبر 36 میں ہوں کوئی دشواری نہ ہوگی۔اگر دلدار ہاشمی صاحب بھی زحمت کریں تو بہت اچھا ہے۔

آپ کا اپنا۔مظہر امام

☆☆☆

☆ مظہر امام، دہلی ۲۰؍مئی ۲۰۰۰ء

محبی نذیر فتح پوری صاحب! سلام خلوص

میں نے ۱۰؍فروری کو ''رابطہ'' کا مظہر امام نمبر آپ کو بھجوایا تھا۔اور ۱۴؍فروری کو ایک پوسٹ کارڈ بھی لکھا کہ آپ کی

رسید سے آگاہ فرمائیں۔ میں اب تک اس کا منتظر ہوں۔ خدا کرے نمبر آپ کو مل گیا ہو۔ اگر مناسب سمجھیں تو اسباق میں اس پر تبصرہ کرادیں۔

محترمی کالی داس گپتا رضا صاحب سے رابطہ ہو تو میرا آداب کہئے۔ میں انہیں اب تک خط نہ لکھ سکا۔ جلد ہی لکھوں گا۔

میں تقریباً سوا دو مہینے سے دہلی سے باہر رہا۔ ۲۹/ اپریل کو واپس آیا ہوں۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ ایک کارڈ سے نوازیں گے۔

مخلص۔مظہر امام

پونے کی یادوں کو سمیٹتے ہوئے مظہر امام نے خوبصورت تحریر رقم کی ہے۔ پونے کے حوالے سے موصوف لکھتے ہیں کہ پونا سے میری جذباتی وابستگی یہی کوئی پندرہ سال کی عمر میں، شالیمار اسٹوڈیو کی وجہ سے ہوئی، جسے ڈبلو۔ زیڈ۔ احمد نے قائم کیا تھا۔ اور جس کی پہلی فلم ''ایک رات'' تھی جو ۱۹۴۳ء میں ریلیز ہوئی تھی۔ اس کے ہیرو پرتھوی راج کپور تھے اور ہیروئن نینا۔ نینا کا اصل نام شاہدہ تھا۔ وہ علی گڑھ کی مشہور شخصیت شیخ محمد عبداللہ کے صاحبزادے محسن عبداللہ کی بیوی اور فلم ہیروئن رینو کا دیوی ((خورشید) اور ''انگارے'' کی معروف افسانہ نگار رشید جہاں کی بھابی تھیں۔ محسن عبداللہ بمبئی ٹاکیز سے وابستہ تھے۔ نینا نے شالیمار کی کئی فلموں میں بطور ہیروئن کام کیا۔ جن میں ''من کی جیت'' کی خصوصی شہرت ہے۔ اس کی کہانی ہارڈی کے مشہور ناول Tess of The ll URBERVILLES پر مبنی تھی۔ اس کا منظر نامہ اور مکالمے کرشن چندر نے لکھے تھے، جو ان دنوں میرے محبوب ترین مصنف تھے۔ کرشن چندر نے اپنے دو مرکتہ الآرا افسانے ''ان داتا'' اور ''موبل'' پونے ہی کے دوران قیام میں لکھے۔ اسی زمانے میں کرشن چندر کی مقبولیت اور شہرت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچی۔ شالیمار سے جوش ملیح آبادی، ساغر نظامی، اختر الایمان، بھرت ویاس، راما نند ساگر، مسعود پرویز بھی وابستہ تھے۔

آخر میں نذیر فتح پوری نے منصور خوشتر کے نام دو خطوط لکھے جس میں انہوں نے لکھا کہ مظہر امام کے مضمون کے مطالعہ کے بعد پونہ کے ادبی خزانے کے تالے خود بہ خود کھلتے چلے گئے۔ اب یہ گراں قدر خزانہ آپ کی تحویل میں دے رہا ہوں۔ منصور خوشتر کے نام دوسرے خط میں نذیر فتح پوری لکھتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے۔ پونہ کے تعلق سے مظہر امام کا مضمون تلاش کیا تو مل گیا۔ اس مضمون کی اشاعت سے متعلق مظہر امام صاحب نے اپنے خطوط میں کئی بار استفسار کیا ہے۔ مضمون واقعی اچھا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ مظہر امام تقریباً چھ ماہ پونہ میں مقیم رہے۔ ان کے اعزاز میں دعوتیں ہوئیں۔ نشستیں ہوئیں۔ عزت افزائیاں ہوئیں، آزاد غزل کے تعلق سے تفہیمی مذاکرہ ہوا جس میں مرحوم رشید اعجاز اور کئی شعراء نے حصہ لیا۔ مظہر امام سرکاری طور پر کسی ٹریننگ پر آئے تھے۔

اس طرح زیر مطالعہ کتاب ''مظہر امام کے خطوط نذیر فتح پوری کے نام'' صرف خطوط کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ مظہر امام، نذیر فتح پوری اور پونے کے سلسلے کی کئی معلومات فراہم کرتا ہے۔ اردو شائقین کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

☆☆☆

فائزہ عظیم احمد۔ایم اے،شبلی کالج اعظم گڑھ

پریم چند کے افسانوں میں حقیقت نگاری

پریم چند اردو افسانوں ادب کی تاریخ کا ایک اہم نام ہی نہیں؛ بلکہ ایک اہم باب بھی ہے پریم چند کا نام تاریخ ساز اور عہد ساز کی حیثیت سے بھی لیا جاتا ہے؛ کیوں کہ پریم چند ہی سے اردو فکشن کو ایک نیا موڑ ملا انہوں نے فکشن fiction اور fact کے مابین جو ایک مشتبہ مہین ساز پردہ تھا اسے چاک کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ زندگی نہ تو فن کے لئے کوئی عجوبہ ہے اور نہ فن زندگی کے لئے کوئی انوکھی چیز ہے، دونوں کی ایک بہتر تال میل سے حقیقت میں نکھار پیدا ہوتا ہے، اس کی کئی ایسی سطحیں اور جہتیں روشن ہوتی ہیں جن سے ہم نا واقف ہوتے ہوئے بھی پوری طرح واقف نہیں ہوئے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہماری بصارتوں وحقائق سے بالعموم اوجھل رہتے ہیں پریم چند نے رومانی ہیرو پرستی کے بھرم کو شکست دی اور یہ بتایا کہ عام پسپا اور مفلوک الحال انسان بھی کسی ناول یا افسانے کا ایک اہم کردار بن سکتا ہے یہی کردار سماج کے اس اکثریتی طبقے سے تعلق رکھتا ہے جو کئی سطحوں پر مجبور بھی مظلوم بھی پریم چند کا یہ کردار افسانوں ادب کے پس منظر میں انوکھا اسلئے بھی تھا کہ وہ کسی ایک علاقے کی نمائندگی نہیں کرتا تھا بلکہ وہ پورے ہندوستان کے محنت کش، ننگے بھوکے کسانوں کا نمائندہ تھا اس کسان کو شمال سے لے کر جنوب اور مشرق سے لے کر مغرب تک بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے پریم چند نے اسے پہلی بار اپنے دیہات سے اٹھا کر افسانوں ادب میں پیش کیا ہے پریم چند کی پیش کش میں حقیقت نگاری کا رنگ اتنا گہرا ہے کہ ہم اسے یک لخت پہچان لیتے ہیں، سادہ لوح ادھ ننگا بھوکا اور پریشان حال کسان کون ہے، پروفیسر ''قمر رئیس'' اس مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''پریم چند نے اردو زبان اور اس کے سرمایہ فکر کو ایک نئی جہت سے آشنا کیا انہوں نے زندگی اور کائنات کو فکر ونظر کے مروجہ زاویوں سے ہٹا کر ایک نئی سطح سے دیکھا ایک ایسی بلند سطح جہاں زندگی اور انسانیت کا سمندر کروٹیں لیتا اور ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے یہ پہلے ادیب ہیں جن کی نظر حیات انسانی کے اس انبوہ میں ان مجبور ومقہور انسانوں تک پہونچتی ہے جو قدرت کے دوسرے بے زبان مظاہر کی طرح صدیوں سے گونگے اور بے زبان تھے پریم چند نیا نہیں زبان دی ازلی، پسپائی، اور پسماندگی، کے شکار یہ ہندوستان کے دبے کچلے کروڑوں انسان تھے جو ملک کی غالب اکثریت اور اس کی دولت، تہذیب اور شان وشوکت کے خالق تھے''

پریم چند کی نگاہ بڑی باریک بین تھی ان کا مشاہدہ تیز تھا اور زندگی کا تجربہ انتہائی وسیع تھا، اسی لئے وہ ہمیشہ صداقتوں اور حقائق کے جویا رہے ان کے سامنے زندگی کا ایک وسیع ترین دوزخ کھلا ہوا تھا جس میں غریب عوام کی ہڈیاں سلگ رہی تھی چیخ رہی تھیں انہی عوام کے رنج وغم ان کے افسانوں

کی بنیاد بنے جہاں وہ یہ کہتے ہیں کہ ادب کی اساس زندگی ہے، اسی بنیاد پر ادب کی عمارتیں، گنبد اور دیواریں بنتی ہیں لیکن بنیاد مٹی کے نیچے دبی پڑی رہتی ہے یہاں حقیقت سے متعلق ان کا نظریہ صاف اور واضح ہوجاتا ہے کیوں کہ لفظ ''مٹی'' بھی یہاں حقیقت کے لئے ہی استعمال ہوا ہے ،اس حقیقت کو بے شمار تہیں اور جہتیں ہیں، پریم چند نے ان میں سے بیشتر جہتوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہاں ہمیں پریم چند کے ان تصورات پر بھی نظر رکھنی ہوگی جو انہوں نے اپنے مضامین اداروں اور خطوط میں پیش کئے ہیں انہوں نے واضح طور پر حقیقت کی نقالی کو ایک غیر فنکارانہ عمل قرار دیا ہے اسی طرح وہ ہو بہو خارجی نقل کے بجائے کرداروں کے نفسیاتی تجزیے کو ضروری خیال کرتے تھے مثالیت یا رومانیت کی رنگ آمیزی کے پس پشت بھی ان کے اس خیال کا عکس واضح دکھائی دیتا ہے کہ حقیقت کی ہو بہو نقل سے فن کی قدر گھٹ جاتی ہے شاید اسی وجہ سے ان کے فکر و نظر میں کئی طرح کی تبدیلیاں واقع ہوئیں مگر مثالیت کا اثر کسی نہ کسی صورت میں آخر تک قائم رہا ۔

ہندوستانی تہذیبی، معاشرتی زندگی میں مہاجن کی عمل داری کی روایت صدیوں پرانی ہے اسکا حال دیہات سے لیکر شہر تک پھیلا ہوا تھا، پریم چند نے برسہا برس سے غریب عوام کا استحصال کرنے والی مہاجنی تہذیب کے دل کو چاک کر کے اس کی اندرونی کثافت اور درندگی کا پردہ چاک کیا ہے، انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے عوام کو بتلایا کہ کس طرح ایک برہمن، غریب کسان کا مذہب کے نام پر استحصال کرتے کرتے خود مہاجن بن جاتا ہے اور وہ غریب کسان بیس سال تک اس کے ''سوا سیر گیہوں'' کا قرض نہیں اتار پاتا ہے، مذہب کی آڑ میں استحصال کرنے والے برہمن، بچاری، پنڈت، شیخ اور مولویوں کی انہوں نے خوب خبر لی ہے ''رام لیلا'' جیسے افسانوں میں پریم چند نے مذہب کے ٹھیکیداروں کو آڑے ہاتھ لیا ہے پونر جنم، پنڈتوں کی پیش گوئیاں اور روحانیت پرستی یہ سب ان کی نظر میں فریب اور گورکھ دھندے ہیں، ان کے خیال میں انسان کی جنت اور جہنم تو اسی دنیا میں ہے، اقتصادیات یا دولت کی محرومی سماج میں برائیاں پیدا کرتی ہے، روحانیت کا درس محض انتظامیہ کو مستحکم رکھنے کا ایک ڈھونگ ہے جس سے استحصال کرنے والوں کے مفادات زندہ رہتے ہیں، ''لاٹری'' ''بازیافت'' وغیرہ افسانے اسی قبیل کے ہیں، استحصال کو ختم کرنے کے لئے پریم چند نے کسان، مزدور اور متوسط طبقہ کو بیدار ہونے کی اپیل کی، سرمایہ دارانہ نظام سے پریم چند کو سخت نفرت تھی، انہوں نے ''پوس کی رات'' ،پچھتاوا'' آشیاں برباد'' اور ''بیٹی کا دھن'' جیسے افسانوں میں بھی مصنف نے سامایہ دارانہ نظام کے نمائندہ زمینداروں کا پردہ فاش کرتے ہوئے کسانوں کو آگاہ کیا کہ روس کے انقلاب کی طرح تم سب بھی مل کر ایک انقلاب کا بگل بجادو ان آجروں سے ہڑتال کے ذریعے ہی نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

اسی کے ساتھ پریم چند نے اپنے افسانوں میں ہندو ستانی عورت کی زبوں حالی پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی ہے عورت کا استحصال اس کی لاعلمی اس کی توھم پرستی اور ان چیزوں کے ردعمل میں اس کے بد سے بدتر ہوتی ہوئی حالت پر اپنے قلم کو جنبش دی ہے وہ عورت کو اتنے ہی اختیارات دینے کے حق میں ہیں جس قدر ایک مرد کو حاضر ہیں، پریم چند دراصل صدیوں سے دبی کچلی ہوئی خاموش اور مظلوم عورت کو

حوصلہ عطا کر کے ہوس پرست، خودغرض، مردوں کے مظالم اور زیادتیوں کیخلاف اسے بے خوف ہوکر اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا چاہتے تھے، اگر چہ عورت کی بیداری کی تحریک انیسویں صدی عیسوی متفرق اصلاح معاشرہ کی تحریکوں کے تحت بیدار ہوچکی تھی، لیکن صحیح معنوں میں اس طرف بیسویں صدی کے 'پریم چند' کے ہی زمانے میں ہی زیادہ توجہ دی گئی کیوں کہ پریم چند کے زمانے میں شادی بیاہ کے بیہودہ رسم و رواج، بیوہ کی شادی کا مسئلہ، تعلیم نسواں سے پرہیز، پردہ نشینی کا رواج، تمام تر سماجی اقتصادی سیاسی اور انقلابی تبدیلیوں کے باوجود معاشرے میں اپنے پاؤں جمائے ہوئے تھے، پریم چند نے عورت کے معاشرے سیاسی، اور سماجی اقتصادی شعور، کو اپنے تخلیق ادب کی آویز بنایا جو ملک کے سیاسی رہنماؤں، سماجی مصلحوں، اور سرکاری قانونوں زیادہ ضرب کاری دیکھنے کے متمنی تھے، وہ افسانہ ''شیخ مخمور'' میں ''ملکۂ شیر افگن'' کو تخت وتاج کا وارث بتاتے ہیں اور کہانی ''صلہ ماتم'' میں لیلاوتی کو بی اے کا ڈپلومہ پاس کر کے پیش کرتے ہیں، ہندوستان میں شادی کی بیوہ رسمیں اور کم عمری کی شادی کا رواج قدیم ہے اس برائی نے عورت کو اور زیادہ کمزور کر ڈالا ہے ''دوسکھیاں'' مجبور اور ''حسرت'' وغیرہ افسانوں کے ذریعے یہ بتلایا کہ بے جوڑ شادی اور بیہودہ رسم ورواج کے برے نتائج لڑکیوں کو ہی برداشت کرنے پڑتے ہیں اسی طرح پریم چند نے ''اکسیر''، ''مالکن'' اور ''معصوم بچہ'' جیسے افسانوں کے ذریعے بیوہ عورتوں کو احساس کمتری سے نکال کر اس میں عزم حوصلہ ہمت اور توانائی پیدا کی ہے۔

سماجی انصاف کے پریم چند بہت قائل تھے ان کے افسانوں کا ایک اہم موضوع سرکاری و نیم سرکاری سطح پر غریب عوام کے استحصال کے حال سے عوام الناس کو آشنا کرنا بھی ہے نظام حکومت کی افراتفری، عدلیہ کی تعصب نظری، سرکاری ونیم سرکاری افسران کی بد عنوانیاں اور رشوت گری، وغیرہ اس دور کی اہم کمزوریاں تھیں پریم چند نے اپنے افسانوں میں قدم قدم پر عدلیہ کے غیر ذمہ دارانہ طریقہ کار اور تعصب نظری کو نشانہ بنایا ہے، انصاف کے پس پردہ غریب عوام کا استحصال کرنے والی سرکاری مشینری کی بھی پریم چند نے کھل کر مخالفت کی ہے، پولیس آفیسر ہو، یا انصاف کی کرسی پر بیٹھنے والا مصنف یا کسی شعبہ کا داروغہ کیوں نہ ہو سرکاری وکیل ہو یا افسر ٹھیکیدار یا ڈاکٹر پریم چند کی زیرک نگاہوں سے کوئی نہیں بچ سکا، معاشرہ کے اس مروجہ انصاف کے زیر سایہ ان سبھی لوگوں کو استحصال کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے پریم چند کو شکایت ہے کہ حقوق تو سب کو حاصل ہیں لیکن سب اپنے فرائض سے نابلد ہیں، یہ لوگ انسانیت کے بجائے ظالمانہ رویوں، سادگی کے بجائے ظاہر پرستی جھوٹے مکھوٹے، اور جھوٹی شان و شوکت کے سہارے انصاف کے دعوے دار ہوتے ہیں اور اسی لئے عوام کے دلوں میں ان کے لئے محبت کے بجائے نفرت اور غصہ اور ارتباط کے بجائے خوف جاگزیں ہے پریم چند نے ''انصاف کی پولیس''، ''داروغہ کی سرگزشت''، ''موٹھ'' اور ''مشعل ہدایت'' وغیرہ افسانوں میں پولس کی زیادتیوں اور اس کے استحصال کے رویوں کی حقیقی تصویر پیش کی ہے اسی طرح ''سزا''، ''منتر'' اور ''اماوس کی رات'' میں منصفوں اور ڈاکٹروں کی خودغرضی و انسانیت کشی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

پریم چند نے اپنے افسانوں میں جاگیردارانہ نظام کی ظلم وزیادتی کو بھی اجاگر کیا ہے، اگر چہ پریم چند نے کسانوں

کے حالت سدھارنے کے لئے گاندھیائی اور کمیونزم دونوں نظریات کو مدنظر رکھا ہے، انہوں نے اپنے افسانوں میں کسان میں عزم وحوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کیوں پریم چند کی نظر میں جب تک کسان زمینداروں کو اپنا آقا اپنا ہمدرد اور قسمت کا یاور سمجھے گا، تب تک وہ ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے دوسری طرف پریم چند نے زمینداروں کو بھی صلاح دی ہے کہ وہ دیہات چھوڑ کر نہ جائیں بلکہ کسانوں کے چھوٹے موٹے دکھ درد پر بھی نظر رکھیں اپنے کارندوں اور نوکروں پر بھی نظر رکھیں، ''مشعل ہدایت'' ان کی ایسی کہانی ہے جس میں ایک ایسے پریم چند کا کردار ابھرتا ہے جو محض مفاہمت کا خواہاں تھا وہ ان دقتوں کے اقتصادی نظام کی گھڑیوں کو یا تو سمجھ ہی نہیں سکے یا طبعًا وہ دونوں کے خیر خواہ تھے، تاہم ذہنی شعور کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ وہ یہ ضرور محسوس کرنے لگے تھے کہ جاگیردارانہ نظام کے ہوتے ہوئے کسانوں کی حالت درست نہیں ہوسکتی، ان کا خیال ہے کہ دھرتی کسان کی اولاد ہے وہ اپنے بچوں کی طرح اسے پالتا پوستا ہے وہی اسکا سہارا ہے اگر وہی اس سے چھین لیا جائے تو پھر وہ بے چارہ بے دست و یار ہوسکتا ہے اور اس کی وہی حالت ہوگی جو ''قربانی'' میں گردھاری کسان کی ہوگئی تھی۔

پریم چند سے پہلے ہمارے ادب میں گاؤں کا ذکر ناپید تھا، اور صرف شہری زندگی ہی پیش کی جاتی تھی اگر کہیں سے گاؤں کا ذکر آجاتا تو اس طرح گویا شاعری کی جارہی ہے گاؤں کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں، لہراتی ہوئی ندیوں، صحت بخش آب ہوا اور معصوم بے ریا زندگی اسطرح دکھائی جاتی جیسے وہاں سب خیریت ہو۔ مگر پریم چند کے افسانوں میں، سماجی اور معاشرتی واقفیت پائی جاتی ہے، وہ غریب طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں، ان کے افسانوں میں، دیہاتی زندگی ہنستی بولتی، اور سسکتی، بلبلاتی نظر آتی ہے، وہ دیہات کے دکھ درد، رنج وغم، رسم ورواج، تقریب وتہوار کو پیش کرتے ہوئے ایک سچی تصویر سامنے لاتے ہیں اتر پردیش، بہار، ماروڑا، اور پنجاب کے گاؤں کے توہم پرست جاہل، مرد، عورتیں مغرور چوہدری، کنجوس، بنیئے، جابر زمیندار مقدمہ بازیاں، نیلام بھوک، ماردھاڑ، بیماری، موت، عصمت فروشیاں، جہیز کی لعنت، بیوہ عورتوں پر توڑے گئے مظالم اور اسی قسم کی بے شمار سماجی بدعنوانیوں کو افسانے کا روپ دے کر سامنے لاتے ہیں، ساتھ ہی طرح طرح کے کرداروں کے ذریعے کانوں کے حالات بیاں کرتے ہیں:

> پریم چند کے زمانے میں ہی اردو افسانے پر رومانوی رجحان نے گہرا اثر قائم کردیا تھا پریم چند کی حقیقت نگاری کی اس روایت نے ایک پوری نسل کو متاثر کی، پریم چند کی اس روایت کا سب سے بلیغ اثر ترقی پسند افسانہ نگاروں کے فکر وفن پر پڑا پریم چند کے حقیقت مبنی رویے کو صحیح طور پر ترقی پسند دانشوروں نے ہی سمجھا تھا اور انہی ادیبوں کے یہاں پریم چند کی روایت کو پروان چڑھنے کا موقع ملا، جو بنیادی طور پر ریلسٹ تھے، زندگی کی اس فہم کی بھرپور عکاسی جن ادیبوں کے فن میں نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے، وہ کرشن چندر، بیدی، احمد ندیم قاسمی، اور بلونت سنگھ ہیں۔

مذکورہ بالا افسانہ نگاروں نے پریم چند سے افسانہ طرازی کے بجائے افسانہ گوئی کا فن سیکھا ہے پریم چند نے بتایا کہ جس قدر زندگی کا دامن وسیع ہے اور زندگی ایک وسیع تر

حقیقت کا نام ہے اسی قدر افسانے کا دامن وسیع ہے محض داخل یا خارج ہی کوئی حقیقت نہیں رکھتا ر وہ لمحہ حقیقت اور قوت کا حامل ہوتا ہے جو دوسروں کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے، چونکہ زندگی وسیع تر رشتوں کا ایک دور تک پھیلا ہوا جال ہے اس لئے زندگی ہمیشہ حرکت میں رہنے والی حقیقت ہے پریم چند کے افسانوں میں زندگی کو اسی نقطہ نظر سے دیکھا اور سمجھا جا گیا ہے، ترقی پسند افسانہ نگاروں ہی نے نہیں بلکہ منٹو اور عصمت جیسے بدنام زمانہ افسانہ نگاروں کے یہاں بھی زندگی کے جن مخفی گوشوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے اسے بھی پریم چند ہی کے اثر کا نام دیا گیا ہے۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں کے بعد ہمارے عہد کے جدید افسانہ نگاروں نے بھی پریم چند سے گہرا اثر قبول کیا ہے، خصوصاً ان کے افسانوں میں جو تکنیک کا تنوع پایا جاتا ہے، اس نے نئے افسانہ نگاروں کو بھی تکنیک کے تجربے کرنے کا حوصلہ پیدا کیا ہے، پریم چند نے اکثر ان مقامات پر اپنی زبان کے علامتی، اشاراتی، اور تمثیلی پہلو کو بڑی دقت نظری سے ابھارا ہے جہاں وہ کسی کردار یا سچویشن یا فطری منظر و پسند منظر کی تفصیل بیان کرتے ہیں، یہ چیز ''کفن، پوس کی رات'' اور ''شطرنج کی بازی'' جیسی کہانیوں میں موجود ہے، نئے افسانہ نگاروں نے اس آرٹ کو زیادہ قوت کے ساتھ ابھارنے کی کوشش کی ہے، جس کی بہترین مثالیں سید محمد اشرف، سریندر پرکاش، انور سجاد اور الیاس احمد گدی کے فن میں بڑی آسانی کے ساتھ دستیاب ہے، بلا شبہ ہم کہہ سکتے ہیں پریم چند کی حقیقت نگاری سے اردو کے افسانوں ادب میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا ہے، اور انہی تمام خصوصیات کی بناء پر پریم چند کا نام ہماری پوری ایک صدی پر محیط ہے۔

شاہد علی عدیلی۔ حیدرآباد

نعت پاک

حسن پر جب بھی مقالہ لکھنا
میرے آقا کا سراپا لکھنا
خوشبوؤں پر جو قصیدہ لکھنا
ایک لفظ ان کا پسینہ لکھنا
جب بھی اعلیٰ سے ہو اعلیٰ لکھنا
اے قلم مدحت آقا لکھنا
پیاس لکھنا ہو کہ پیاسا لکھنا
آل سرور کا حوالہ لکھنا
ان کی مدحت میں کچھ اتنا لکھنا
سانس جب تک بھی ہے لکھنا لکھنا
عقل رکھ کر جو نہ سمجھا ان کو
بس اسے عقل کا اندھا لکھنا
اصل میں ان کی ثنا ہے قرآں
رب نے سب لکھ دیا ہم کیا لکھنا
ہے کرم تجھ پہ یہ شاہدؔ ان کا
آ گیا تجھ کو بھی اچھا لکھنا

ایس۔ایم۔عارف حسین۔اعزازی خادم تعلیمات،مشیرآباد،حیدرآباد

''انسانی ظلم کی مختلف شکلیں''

''ظلم'' کوسادہ الفاظ میں ''زبردستی'' سے موسوم کیا گیا ہے جسکے مختلف روپ ہوتے ہیں، عام طور پر انفرادی واجتماعی زبردستی چاہے وہ قتل وغارت گری ہو- جنگ ہو-اسی کوظلم سمجھا جاتا ہے چیونکہ اسی کے ذریعہ ہی ایک شخص دوسرے شخص پر- ایک گروہ دوسرے گروہ پر-ایک مذہب دوسرے مذہب پر- ایک علاقہ دوسرے علاقہ پر- ایک ملک دوسرے ملک پر غالب آتا ہے اور اس ظلم کو کامیابی تصور کیا جاتا ہے. اگر مذکورہ ظلم واقعی کامیابی ہوتا تو یہ بجاے کچھ عرصہ کے طویل مدت تک قایم رہتا پر حقیقت میں ''ظلم کی عمر امن کے مقابل بہت کم ہوتی ہے'' ویسے بھی انسان امن چاہتا ہے جو زندگی کے لیے بیحد ضروری ہے۔

ظلم کی کیفیت کا گہرائی سے جائیزہ لیا جاے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک فرد کا دوسرے فرد کے خلاف-ایک تنظیم یا انجمن میں ایک رکن کا دوسرے رکن کے خلاف نازیبا الفاظ کا استعمال بھی ''لفظی ظلم'' سے کم نہیں ہوتا کیونکہ ایک با اخلاق و باعلم فرد کے خلاف ناشائستہ الفاظ کا استعمال اس کو ذہنی طور پر چوٹ لگاتا ہے جس کو وہ عرصہ تک بھول نہیں پاتا جبکہ گالی گلوج تو واقعی بڑا ''لفظی ظلم'' ہوتا ہے۔یہ حقیقت ہیکہ ''الفاظی ظلم'' انسانی تعلقات و رشتہ داری ہی نہیں بلکہ ایک تنظیم یا انجمن کی کارکردگی میں بھی بڑی دراڑ پیدا کرتا ہے نتیجتاً ایک طرف انسانی تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں تو دوسری جانب ایک تنظیم یا انجمن بھی بکھر جاتی ہے جس سے یقیناً معاشرتی سدھار میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

انسان کا ''تکبر والا برتاؤ'' بھی ظلم کی ایک شکل ہے۔ جہاں محبت وانکساری ایک انسان کو دوسرے سے قریب کرتی ہے وہیں ''تکبر والا برتاؤ'' ایک دوسرے سے دور ہی نہیں کرتا بلکہ آپس میں نفرت پیدا کرتا ہے،لہٰذا انسان کا تکبر والا برتاؤ بھی ''اخلاقی ظلم'' کہلائیگا۔

'' تقریر میں کہے جانے والے منفی الفاظ اور ''تحریر'' میں لکھے جانے والے منفی حالات انسانوں کو ذہنی-تہذیبی- ثقافتی-تجارتی - معاشرتی - علاقاعی طور پر متاثر کرتے ہیں اور نتیجہ میں انسان کی سوچ بدل جاتی ہے اور ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن بن جاتا ہے اگرچہ کہ عام طور پر مذکورہ بالا ظلم کو ظلم نہیں سمجھا جاتا۔

ایک تعلیمی ادارہ یا کمپنی یا تنظیم میں کام کرنے والے افراد کے ساتھ بھی یکساں اور ہمدردانہ سلوک کرنیکی ضرورت ہے،اگر ماتحتین سے غلطی ہوجاے تو معاف کرنا چاہئے بجائے سخت اقدام کرنے کے،سختی بھی ''انتظامی ظلم'' کے دایرہ میں آتی ہے۔

نکاح کے موقع پر لڑکی والوں سے چاہے طعام کے انتظام کی مانگ کی جائے یا پھر جہیز کے نام پر قیمتی اشیاء کی مانگ ہو یا پھر جوڑے گھوڑے کے بھاری رقم کا مطالبہ ہو یہ تمام مطالبات بھی ''سماجی ظلم'' کے دائرہ میں آتے ہیں جبکہ اس کو ظلم نہیں سمجھا جارہا ہے نتیجہ میں ایک جانب غریب

لڑکیوں کے رشتہ طے ہونے میں رکاوٹ پیدا ہورہی ہے تو دوسری جانب ماں- باپ اور بھائی بھاری مالی قرض تلے دبے جارہے ہیں جسکی ادائیگی میں طویل عرصہ لگ رہا ہے جو'' ذہنی ظلم'' سے کم نہیں۔

دور جدید کا مشاہدہ بتاتا ہیکہ دنیا بھر کے ممالک چاہے وہ بادشاہت یا جمہوری نظام کے تحت حکومت چلا رہے ہوں ریاستی یا قومی سطح پر اکثریت کی بنیاد پر آئین (قانون) میں تبدیلی کرتے پائے جارہے ہیں۔حقیقت میں یہ بھی ایک'' قانونی ظلم'' ہے جس کے نتیجہ میں وہاں کی اقلیت کے حقوق چھینے جارہے ہیں جبکہ آئین از خود ان کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔

''ظلم بڑھ جائے جب زمانہ میں: خود بخود انقلاب آتا ہے۔

دنیا گواہ ہے کہ جب بھی انسانوں پر بادشاہی یا انتخابی حکومت کے ذمہ داروں کی جانب سے ظلم کیا گیا بہت جلد وہاں انقلاب رونما ہوا جس کے نتیجہ میں حکومت کے تخت الٹ گئے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ انسانوں پر ظلم نہ کیا جائے جو زندگی کے لیے بھی مناسب نہیں ہے۔

جفا و ظلم و ستم دیکھ کے اگر لوگو
رہے خموش تو ظالم کی پیروی ہوگی

لہٰذا ضروت اس بات کی ہے کہ جب بھی اپنے اردگرد انفرادی یا اجتماعی ظلم ہوتا پایا جائے اپنی آواز اور طاقت کے ذریعہ اس کو روکنا ہر زندہ فرد پر لازم ہے ورنہ ظالم کے ظلم کو سہنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔

☆☆☆

تجمل تاج فاطمہ۔حیدرآباد

نظم ماں

میری دنیاں میری جنت ہے تو ماں
سچ ہے یہ اللہ کی رحمت ہے تو ماں

گھر کی رونق اور برکت ہے تو ماں
اپنے بچوں کی ضرورت ہے تو ماں

میرے سکھ و دُکھ کی ساتھی بھی ہے تو
میری طاقت میری ہمت ہے تو ماں

تو نے ہی چلنا سکھایا ہے مجھے
سر سے پاؤں تک محبت ہے تو ماں

زندگی کا میری تو تحفہ حسیں
میری چاہت میری دولت ہے تو ماں

تاج کی بھی عمر لگ جائے تجھے
بے مثال اللہ کی نعمت ہے تو ماں

ڈاکٹر ناظر حسین خان۔شعبۂ اردو کرائسٹ چرچ کالج دی مال، کانپور (یوپی)

پری ناز اور پرندے ایک تنقیدی مطالعہ (تیسری قسط)

دوسرے حصے کے بحث میں غیر مہذب جملے کے استعمال کو جو ناول کے کرداروں کے ذریعے ادا کروائے گئے ہیں کو ملاحظہ کریں۔رام دین اور راوی ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں:

''لگتا ہے وہ مل گیا، پہاڑی مینا کا قصہ لکھنے والا۔''ص۔۱۷۰

راوی جواب دیتا ہے:

''مل تو گیا مگر اس تک پہنچ نہیں سکے۔'' ص۔۱۷۰

یہاں پر رام دین کے ذریعے قصہ لکھنے والا جو کہ ایک بڑی شخصیت کا حامل ہے کے حوالے سے لفظ 'مل گیا' کہا گیا ہے،اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ رام دین ان کو نہیں جانتا تھا مگر راوی تو ان کے گھر جا کر ان کے رہن سہن سے ان کی حیثیت کا اندازہ تو لگا ہی چکا تھا۔یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''صاحب کے مکان سے نکل کر میں سیدھا قیصر باغ پہنچا اور جو کتاب خانہ صاحب نے بتایا تھا وہاں جا کر ان کا لکھا ہوا رقعہ اس کے نگراں کو دیا۔رقعہ پڑھ کر اس نے سر سے پیر تک مجھے دیکھا پھر بولا:

''تم وہاں کیسے پہنچ گئے ۔وہ ہر کسی سے نہیں ملتے۔''۔۔۔''تم اس کا رقعہ لائے ہو جس کی بات میں تو کیا بڑے سے بڑا عہدہ دار نہیں ٹال سکتا۔سمجھو تمہیں نوکری مل گئی۔کل سے آ جاؤ۔۔۔''''ص۔۲۶۹

راوی یہ کیوں کہتا ہے کہ 'مل تو گیا' اور یہ جاننے کے باوجود کہ قصہ لکھنے والا ایک بڑی شخصیت کا حامل ہے راوی بھی گفتگو کے اسی انداز کو مزید دہراتا ہے:

''بیمار ہے۔ہم اسی کے یہاں سے آ رہے ہیں۔تب چڑھی ہے ۔اس کی بیوی نے بتایا آنکھیں کھولنا بھی مشکل ہے۔چار دن بعد بلایا ہے۔''ص۔۱۷۰

رام دین بولا:

''چلو چار دن بعد سہی ۔اس دن اچھا بھلا رہا تو جو کچھ اس نے لکھا ہے بتائے گا۔''ص۔۱۷۰

موجودہ وقت میں بھی اگر ہم لوگ کسی بڑی شخصیت کے حوالے سے ان کے غائبانے میں بھی باتیں کرتے ہیں تو اخلاقیات کے پہلو کو بروئے کار لاتے ہوئے اور ان کے احترام کو باقی رکھتے ہوئے لفظ 'مل گیا' اور 'اس تک' نہ کہہ کر 'مل گئے' اور لفظ 'ان تک' کا استعمال کرتے ہیں۔ان دونوں کرداروں کے مکالمے میں اس بڑی شخصیت کے حوالے سے احترام دکھائی نہیں دیتا جو کہ آج بھی بڑوں کا احترام شہر لکھنؤ کے علاوہ ہر جگہ کا شیوہ مانا جاتا ہے، یہ تو پھر بھی ۱۹۰۰ کے زمانے کا مکالمہ ہے۔اس سے دو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں یا تو ناول نگار نے ان جملوں کو خیال میں نہیں لایا یا تو لکھنؤ میں

اس وقت گفتگو کا یہی انداز رہا ہوگا۔

راوی اور یوسف مرزا (جن کا تعلق ایک اچھے گھرانے سے رہ چکا ہے) کی گفتگو قصہ لکھنے والے کے حوالے سے بھی اسی انداز میں ہے:

''جسے ڈھونڈ رہے تھے وہ ملا؟''

''ملا۔''میں نے کہا۔

''وہیں جہاں میں نے بتایا تھا؟''

''جی وہیں۔''

''اس نے کچھ بتایا؟''

''نہیں۔ بہت دن سے بیمار ہے۔ نہ بستر سے اٹھ پاتا ہے نہ ٹھیک سے بول پاتا ہے۔''
ص۔۱۹۳

یوسف مرزا بھلے اس کو نہیں جانتے تھے مگر ان کے اپنے ماحول کے اعتبار سے یا اخلاقیات کے پہلو سے ہی ان سے اتنی شرافت کا تقاضہ تو کیا ہی جا سکتا ہے کہ ایک بڑا شخص کسی دوسرے بڑے شخص کے حوالے سے کس طرح کے جملے ادا کرے گا اور اگر نہیں تو یہ ثابت ہوگا کہ یوسف مرزا کا یہ کردار راوی کی ہی طرح گھمنڈی ہے کیوں کہ راوی کا رویا یہاں ابھی بھی اسی طرح برقرار ہے، کیوں کہ سُہ للگنے والے سے پہلی ملاقات کے بعد جب راوی بابا سے ملتا ہے اس وقت بھی راوی کا یہی گھمنڈ پھر ظاہر ہوتا ہے:

''۔۔۔لیکن جب سنا کہ فرش آرا فلک آرا کی بیٹی ہیں تو اس کے بدن میں جان آ گئی۔'' میں نے بابا کو بتایا: ''لگ ہی نہیں رہا تھا بہت دنوں سے بیمار ہے۔''ص۔۲۳۴

'ان کے' کی جگہ 'اس کے'، 'بیمار ہیں' کی جگہ 'بیمار ہے' جیسے غیر مہذب لفظ کا کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک اور کڑی فرش آرا کے مکالمے کو ملاحظہ کریں:

''فجر سے پہلے میرے کان میں آواز آئی: 'جتنا میں نے الحمد قل ھواللہ پڑھا ہے اس کا ثواب منشی امیر احمد کی روح کو پہنچے اور خدا قصہ لکھنے والے کی عمر دراز کرے۔ وہ نہ ہوتا تو فلک آرا کے باپ کی بات اس کی بیٹی تک نہ پہنچتی۔''
ص۔۲۳۸

فرش آرا کے اس جملے کو دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ فلک آرا پر قصہ لکھنے والے کا احسان ہے، اسی کی وجہ سے آج یہ اپنے باپ (والد) کا قصہ جان سکیں۔ اس کے بعد بھی فلک آرا کے جملے میں اس شخص کے لیے 'وہ نہ ہوتے' کی جگہ 'وہ نہ ہوتا' کا استعمال یا تو مصنف کی غلطی ہے یا پھر یہ کردار ہی راوی کی طرح غیر مہذب ہے۔

ایک اور مکالمہ قصہ لکھنے والے کا نوکر مرزا کا ملاحظہ کیجیے:

''تو اس قصے کا قصہ ہے کیا۔ میاں نے بہت جی لگا کر یہ قصہ لکھا۔ آتے جاتے ہم دیکھا کرتے میاں اسی کے لکھنے میں ڈوبے رہتے۔ کبھی کبھی ہم سے کچھ پوچھ بھی لیتے۔''

''''کیا پوچھ لیتے؟''

''مرزا تم نے میناؤں کا بولنا سنا ہے۔ میں کہتا میاں میناؤں کا نہیں پڑھی ہوئی میناؤں کا بولنا سنا ہے۔۔ واللہ کیسے کیسے کلمے ان کی زبان سے نکلتے۔ اس پر وہ کہتے مرزا تم علامہ کب سے بن گئے میں پوچھتا میاں یہ علامہ کیا ہوتا ہے وہ

کہتے جو لوگ ایسی زبان بولتے ہیں جو تم نے ابھی ابھی بولی ہے وہ علامہ کہلاتے ہیں۔ میں کہتا میاں یہ آپ ہی لوگوں کے بول ہیں جو کانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔'' ص۔۱۶۳

اس اقتباس میں قصہ لکھنے والا نوکر کی زبان کی تعریف کرتے ہوئے نوکر کو علامہ تک کہہ دیتا ہے، نوکر کو علامہ کا مطلب بھی سمجھاتے ہیں جس کے جواب میں نوکر کہتا ہے' آپ ہی لوگوں کے بول ہیں جو کانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔' ناول کے اسی سین میں راوی کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے یہ علامہ اپنے مالک کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''تو پھر میاں اور ان کے باپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کے بارے میں تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔'' ص۔۱۶۵

اگر نوکر کی یہ بات تسلیم کر لیا جائے کہ اسی گھر کے بول کانوں میں پڑے ہوئے ہیں تو کیا وہ اس گھر میں لفظ 'والد' کی جگہ لفظ 'باپ' ہی سنتا تھا۔ اس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ یا تو یہ ناول نگار کی غلطی ہے یا پھر نوکر مرزا کا کردار ہی دوہرے کردار کا حامل ہے۔

گفتگو کے دوران آپ اپنی زبان میں کس کے لیے کس طرح کے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں یہ بہت معنی رکھتا ہے کیوں کہ زبان کا تعلق سیدھے طور پر آپ کی تہذیب سے ہوتا ہے۔ آپ جس طرح کی زبان کا استعمال کرتے ہیں اس سے آپ کی تہذیب اور رہن سہن کا پتا چلتا ہے۔ تہذیب کے حوالے سے اسی ناول کا ایک قول ملاحظہ کیجیے جس کو بابا کے ذریعے ناول نگار نے کہلوایا ہے:

''کچھ دیر میں شاخیں پرندوں سے بھر جائیں گی۔'' بابا نے کہا۔ پھر بولے: ''اور سنو جو ہمارے پرندے ہیں، مطلب باہر سے نہیں آئے ہیں وہ اونچی شاخوں پر نہیں بیٹھیں گے۔''

''کیوں؟''

''ارے یہ لکھنؤ ہے۔ آدمیوں کی طرح یہاں کے پرندے بھی میزبانی میں پیچھے نہیں رہتے۔ اونچی شاخیں وہ باہر سے آنے والے پرندوں کے لیے چھوڑ دیں گے۔'' ص۔۱۸۵

بات جب پرندوں کے تہذیب کی ہو رہی ہے تو ایک اور سوال راقم کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، جب راوی پہلی مرتبہ قصہ لکھنے والے کے پاس جاتا ہے اس وقت ان کی ملاقات پہلے نوکر اور بعد میں قصہ لکھنے والی کی بیوی سے ہوتی ہے۔ راوی کس لیے آتے ہیں یہ بات تو وہ نوکر کو بتا چکے ہیں مگر جب بہو صاحب سے بات چیت شروع ہوتی ہے اس وقت کا ایک مکالمہ ملاحظہ کریں۔ بہو صاحب پوچھتی ہیں:

''حسین آباد سے تشریف لائے ہیں؟''

حسین آباد کی پشت پر ایک محلّہ ہے جھانکڑ باغ، وہاں سے آئے ہیں۔''

''کیسے زحمت کی؟''

''وہ جو آپ کے ملازم ہیں مرزا، انہوں نے آپ کو بتا دیا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کے شوہر نے ایک قصہ لکھا ہے پہاڑی مینا والا۔'' ص۔۱۵۶۔۱۵۷

سوال یہ ہے بھلے ہی آپ نے نوکر کو اپنے آنے کی وجہ بتا دی ہو مگر جب آپ سے گھر کی مالکن آپ کے آنے کا سبب پوچھ رہی ہوں تو آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ آپ یہ کہیں کہ

آپ کے ملازم نے آپ کو بتایا ہوگا۔ یہ جملہ ادب کے خلاف ہے وہ بھی ہمارے راوی کے لیے جس کی شبیہ ناول نگار نے ایک تعلیم یافتہ نوجوان کی ظاہر کی ہے۔ راوی جس شخص کی تلاش شدت سے کرتا ہے اور وہ شخص کوئی عام شخص نہیں ہے جب راوی ان کے گھر جاتا ہے تو دروازے پر نوکر کو اپنے آنے کا سبب بتانے کے باوجود اگر گھر میں دوبارہ آنے کا سبب پوچھا جائے تو بلا تکلف اپنے آنے کا سبب بیان کیا جائے نہ کہ یہ کہا جائے کہ 'وہ جو آپ کے ملازم ہیں مرزا، انہوں نے آپ کو بتا دیا ہوگا'۔ اور اگر یہ کردار لکھنؤ شہر کے ہیں تو پھر ان سے اس طرح کی امید کہ وہ یہ کہیں کہ 'وہ جو آپ کے ملازم ہیں مرزا، انہوں نے آپ کو بتا دیا ہوگا' یہ کسی طور زیب نہیں دیتا۔ کیوں کہ جب اس شہر کے پرندے اس قدر تہذیب کے حامل ہیں تو پھر اسی شہر کے انسانوں سے اتنی توقع تو کی ہی جاسکتی ہے۔

ناول میں موت کا اتفاق اور کام نکل جانے کے بعد کرداروں کی موت کا اتفاق:

انیس اشفاق کے ناول 'پری ناز اور پرندے' میں اگلی بحث اس ناول کے کرداروں کی موت کے حوالے سے ہوگی، اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

الف: رواں کرداروں کے عزیزوں کے ساتھ گزشتہ وقتوں میں موت کا اتفاق

ب: رواں کرداروں کا کام نکل جانے کے بعد موت کا اتفاق

پہلے حصے میں وہ کردار جن کا ظاہری طور پر ناول میں کوئی رول نہیں ہے مگر ناول نگار نے قصے کی ضرورت کے اعتبار سے محض ان کا ذکر کرداروں کی زبانی شامل کیا ہے پر بحث کی گئی ہے۔ یہ وہ کردار ہیں جن کا رواں کرداروں کے ساتھ کوئی نا کوئی رشتہ رہا ہے، ان کرداروں سے ناول نگار نے کوئی خاص کام نہیں لیا ہے مگر ان کے مرنے میں جو اتفاق ہوا ہے وہ بحث کا موضوع ہے۔ مثلاً راوی کی بہن یا قصہ لکھنے والے کے والد وغیرہ۔ فریسہ جو راوی کی بہن تھی اور اس کو طوطوں سے بہت محبت تھی کا واقعہ ملاحظہ کیجیے:

''ایک بہن تھی ہماری، اس نے بھی جیسے ہر گھر میں طوطا پالا جاتا ہے ایک طوطا پالا۔ کچھ دن بعد اس کی دسراہٹ کے لیے ایک اور پال لیا۔ ہماری ایک خالہ جو امی اور ابو کے زمانے سے ہمارے یہاں رہتی تھیں انہوں نے ان طوطوں کو خوب پڑھایا۔ بہن ہماری ان طوطوں سے دن بھر باتیں کیا کرتی۔ دن بھر پوچھتی مٹھو بابا! ابّو ہمارے کہاں گئے، امی کب آئیں گی۔ ان دونوں نے ان کا دکھ سمجھ لیا تھا۔ فریسہ، یہی ہماری بہن کا نام تھا، جب بھی ان سے یہ باتیں پوچھتی وہ کہتے:

امی ابو آئیں گے دودھ جلیبی لائیں گے
تینوں مل کر کھائیں گے ص۔۸۵

اس اقتباس کو شامل کرنے کا مقصد محض یہ تھا کہ فریسہ کی طوطوں کے ساتھ محبت کو قاری کے سامنے پیش کیا جائے۔ آگے کا قصہ بیان کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ:

''۔۔۔ایک دن جب وہ اپنے طوطوں سے باتیں کر رہی تھی اور آٹے کی گولیاں بنا بنا کر ان کے پنجرے میں ڈال رہی تھی، اس کے سر میں درد اٹھا اور وہ چکرا کر پنجرے کے سامنے گر

پڑی۔اس کے گرتے ہی طوطوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔میں اور خالہ اس کی طرف دوڑے اور جب اسے اٹھایا تو اس کا دم نکل چکا تھا۔۔۔'' ص۔۸۵

طوطوں کو بھی فریسہ سے کس قدر محبت تھی ملاحظہ کیجیے۔ جب فریسہ کا دم نکل جاتا ہے اس وقت دونوں طوطے چلاتے ہیں:

''امی ابو آئیں گے دودھ جلیبی لائیں گے
تینوں مل کر کھائیں گے'' ص۔۸۵

فریسہ تو انتقال کر چکی تھی، اب طوطوں کے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔طوطے فریسہ سے اس قدر گھل مل گئے تھے کہ اس کی موت کے غم میں کھانا پینا چھوڑ دیا:

''فریسہ کے مرنے کے بعد وہ دونوں طوطے چپ چپ رہنے لگے۔ میں ان کے پنجرے میں آٹے کی گولیاں ڈال دیتا اور کٹوری میں پانی بھی۔لیکن اب پہلے کی طرح نہ وہ گولیاں کھاتے نہ پانی پیتے۔''ص۔۸۶

اور پھر ایک دن:

''پھر ایک دن جب میں دیر سے سو کر اٹھا تو دیکھا دونوں طوطے پنجرے کے اندر مردہ پڑے ہیں۔''ص۔۸۶

اس اقتباس کے ذریعے ناول نگار نے پرندوں کی محبت کو انسانوں سے ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ کس طرح انسانوں کے مرنے کے بعد ان کے پالے ہوئے پرندے یا جانور بھی ان کے غم میں مر جاتے ہیں۔ناول نگار نے بہت چالاکی سے فریسہ کے مرنے کے بعد ان دونوں پرندوں کو بھی فریسہ کی محبت دکھا کر مار دیا۔کیوں کہ فریسہ کی ان طوطوں سے حد سے زیادہ محبت دکھائی گئی ہے، اب ایسے میں فریسہ کی موت کے بعد اگر ان طوطوں کو راوی کے ذریعے اڑا دیا جاتا تو قاری کے سامنے راوی کا کردار ایک خودغرض کردار کی شکل میں ظاہر ہوتا۔فریسہ کی موت کے بعد اس ناول میں ان طوطوں کا مزید کردار دکھائی نہیں دیتا۔راوی ہمارا ہیرو ہے، قاری کے سامنے اس کے کردار کو بھی بے داغ ہی رکھنا ہے اس لیے ناول نگار نے فریسہ کی محبت میں ان پرندوں کی موت کا ایک بہترین راستہ نکالا ہے۔اور غالباً طوطوں سے فریسہ کی سنجیدہ محبت کو اسی لیے دکھایا گیا ہے کہ فریسہ کی موت کے بعد اسی کی محبت میں ان طوطوں کو بھی مارا جا سکے۔اس حصے میں ایک اور بات یہ عرض کرنا تھی کہ ناول میں فریسہ کا کردار غیر ضروری ہے فریسہ کا کردار ناول میں محض اس لیے لایا گیا ہے کہ فریسہ کے حوالے سے تھوڑے سے ذکر کے بعد اس کی موت کو دکھا کر راوی سے دیگر کرداروں کے ساتھ ساتھ قاری کی بھی ہمدردی پیدا کی جا سکے۔اس بات کا ثبوت اس قول:

''اماں آپ کا بہت خیال رکھنے لگیں ہیں۔کہہ رہی تھیں۔۔۔''

''کیا کہہ رہی تھیں؟''

''بیٹا کبھی اس کی طرف سے ملال ہو تو دل میلا نہ کرنا۔اس کا دل بہت دکھا ہوا ہے۔جانے انجانے کڑوی بات اس کے منھ سے نکل سکتی ہے۔'' ص۔۱۵۰

سے فراہم ہوتا ہے۔راوی سے ہمدردی کا ایک اور قول ملاحظہ کیجیے:

ڈاکٹر عمیر منظر ۔لکھنو

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

زبانوں پر محمد مصطفیٰ کا جب بھی نام آیا
فضائیں گونج اٹھیں پیہم درود آیا سلام آیا

حرا کے غار میں جبرئیل لائے مژدہ اقرا
جہاں کے واسطے رشد و ہدایت کا نظام آیا

شب اسرا ابھی سدرہ پہ پہنچے تھے مرے آقا
کہا جبرئیل نے میرے لیے حد کا مقام آیا

مٹائیں آپ نے دنیا سے تفریقیں من وتو کی
دیا منشور اک ایسا جو کل عالم کے کام آیا

وہ فتح مکہ، سرداران مکہ اور مرے آقا
ہر اک کے واسطے امن اور راحت کا پیام آیا

بتایا ہے یہ عبداللہ کے بیٹے نے دنیا کو
حقیقت میں وہ انساں ہے جو انسانوں کے کام آیا

تمنا ہے سر محشر کہیں سب دیکھ کر منظر
وہ دیکھو چاند پٹی سے نبی کا اک غلام آیا

''بیٹا اگر تمہاری بہن کا قصہ ہمیں پہلے معلوم ہو جاتا تو ہم وہ پنجرے بازار نہ لے جاتے، سیدھے تمہیں کو دیتے اور ایک کے بھی پیسے نہ لیتے۔ اب سے میں ہر صبح تلاوت کے وقت ایک پارہ فریسہ کے نام کا بھی پڑھوں گی۔''
ص۔۸۶

اس بنیاد پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ناول میں راوی سے دیگر کرداروں اور قاری کی ہمدردی پیدا کرنے کا کام لینے کے بعد فریسہ کے کردار کو وہیں پر اُسی انداز میں ختم کر دینا ہی بہتر تھا۔

ایسے ہی ایک اور اتفاق ملاحظہ کیجیے جس میں ایک کتا اپنے مالک کے مرجانے کے فوراً بعد مر جاتا ہے:

''جب ہم برآمدے کی طرف چلنے لگے تو مرزا بولے:

اور یہ سیاہ کتے والا کیا معاملہ ہے۔ کل میاں بار بار اس کو یاد کر رہے تھے۔ ہمارے یہاں جو کتّا پلا تھا اور جو بڑے والے میاں کے مرتے ہی مر گیا وہ سفید رنگ کا تھا۔۔۔''ص۔۲۱۱

انسانوں سے جانوروں کی محبت کا وہی عالم یہاں بھی ہے۔ وہ الگ واقعہ ہے کہ سیاہ کتے کا قصہ کیا ہے یہ ظاہر ہو یا پھر اور بھی راز ظاہر ہوں (ویسے بھی ناول نگار نے بابا اور دیگر کرداروں کے ذریعے ناول میں کئی جگہوں پر یہ کہلوایا ہے کہ 'یہاں قدم قدم پر ایک قصہ دفن ہے۔')

☆☆☆

فاطمہ بیگم۔بی کام سالِ سوم، گورنمنٹ ڈگری کالج، تانڈور

کتاب۔ ہماری بہترین دوست

کتاب ہماری بہترین دوست ہے۔ کتاب ہمیں علم کی روشنی دیتی ہے۔ یہ تعلیم کا بنیادی عنصر ہے۔ کتابوں نے ہمیشہ دل میں ایک خاص جگہ بنا رکھی ہے۔ پختہ یقین ہے کہ کتاب میری بہترین دوست ہے۔ اگر چہ انسانی دوستیاں آتی اور جاتی رہتی ہیں، لیکن کتاب ایک مستقل ساتھی بنی رہتی ہے، جو میری زندگی کو ان گنت طریقوں سے مالا مال کرتی ہے۔ کتابوں کی صحبت میں انسان خود کو کبھی تنہا محسوس نہیں کرتا ہے۔

کتابیں ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہیں ۔ یہ ہمارے ذہن کو فروغ دیتی ہیں ،اور ہمارے ضمیر کو بیدار کرتی ہیں ۔کتابیں علم کا ذخیرہ ہیں۔ یہ دراصل انسان کے لئے ایک شان دار تحفہ ہیں۔ ایک لفظ میں یہ بہت طریقوں سے ہماری مدد کرتی ہیں۔ جب ہم الجھن میں پڑ جاتے ہیں تو یہ ہماری رہ نمائی کرتی ہیں۔ کتابیں فیصلہ سازی میں ہماری مدد کرتی ہیں ۔ جب ہم اکیلے رہتے ہیں تو یہ ایک عظیم ساتھی کی طرح ہمارے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔

ہم کتابوں کے ذریعہ دنیا کی مشہور شخصیات کے رہن سہن، لباس، طرزِ زندگی اور سماجی سرگرمیوں کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ یہ جہالت کے اندھیروں کو دور کرتی ہیں۔ اچھی کتاب ہماری عقل کو تیز کرتی ہے۔ ہم کتابوں کے مطالعہ سے نا معلوم کو جان سکتے ہیں ۔ ہم کتابوں کے ذریعہ دنیا کے دور دراز مقام کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ کتابوں کے مطالعہ سے ہم دنیا کے مختلف ممالک کے رہن سہن اور ثقافت کو جان سکتے ہیں۔

ہم کتابوں کی ہم نشینی کے بغیر اپنی زندگی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے ہیں ۔ کتاب زندگی میں ایک مکمّل انسان بننے میں ہماری مدد کرتی ہے۔ کتاب ہماری بہترین دوست اور استاد ہے۔ کتاب ہمیں مکمّل زندگی دیتی ہے۔ یہ ہمیں زندگی میں سکون فراہم کرتی ہے۔ یہ ہماری تنہائی کو دور کرتی ہے۔ ہمیں ہمیشہ کتاب پڑھنی چاہئے۔ کتابوں سے میری محبّت ہمیشہ قائم رہے گی، کیوں کہ وہ زندگی کے سفر میں ہمیشہ وفادار ساتھی رہیں گی۔

زندگی کا اہم حصّہ کتاب ہے
جانے کتنے بند اس میں خواب ہے

رہبرؔ پرتاپ گڑھی

غزل

گفتگو ہوگی مگر کچھ گفتگو رہ جائے گی
ایسا لگتا ہے کہ باقی آرزو رہ جائے گی
میرا کوئی بھی نہیں ہے شہر میں تم سے عزیز
تم نہیں ہوگے تو ناقص جستجو رہ جائے گی
آپ جاکر ان چوکھٹ پر ہی بنتی کیجیے
بات بھی بن جائے گی اور آبرو رہ جائے گی
مشک وعنبر کی تو پیارے! خوش بوئیں ہیں عارضی
پیار کی خوش بو جہاں میں کو بہ کو رہ جائے گی
آپ دنیا میں محبت سے اجالا کیجیے
یہ چمک رہبر! ہمیشہ چار سو رہ جائے گی

ناز ثناء نعمانی۔ بنارس، یوپی

دختران ملت میں پھیلتا ارتداد

اسلام میں بیٹی کا تصور بہت اہم اور محترم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کی پرورش اور احترام کی تاکید کی ہے، اور والدین کو خوش خبری دی ہے کہ بیٹیوں کی اچھی تربیت جنت کی بشارت لے کر آتی ہے۔ بیٹی کو نیک تربیت دینے سے والدین کو دنیا اور آخرت میں برکت ملتی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بیٹیوں کو عزت، محبت، کے ساتھ ساتھ خاص مقام حاصل ہے۔

شادی کے وقت لڑکی کے والدین پر کوئی مالی بوجھ نہیں ہوتا؛ لڑکے کی ذمہ داری ہے کہ وہ نان ونفقہ، رہائش اور مہر فراہم کرے۔ خوشی میں ولیمہ بھی لڑکے کی ہی ذمہ داری ہے۔ اس کے باوجود، مسلم معاشروں میں لڑکیوں کی دیر سے شادی اور ان کے ہاتھ پیلے نہ ہونے کی شکایت عام ہو رہی ہے۔ جہیز اور شادی کے غیر ضروری اخراجات کی وجہ سے لڑکیوں کی شادی میں تاخیر ہو رہی ہے، اور بہت سی لڑکیاں عمر رسیدہ ہو کر بھی شادی کے بغیر بیٹھی ہیں۔

یہ مسئلہ سنگین صورت اختیار کر چکا ہے کہ مسلم لڑکیوں میں ارتداد کی خبریں سامنے آ رہی ہیں۔ غیر مسلم عناصر نے لڑکیوں کو محبت، تحائف، اور جھانسے کے ذریعے اپنی طرف مائل کیا ہے، اور جب لڑکیاں ان کے دھوکے میں آ کر شادی کے لیے تیار ہو جاتی ہیں، تو ان کا مذہب تبدیل کرا لیا جاتا ہے۔ شادی کے بعد انہیں ہندو رسم ورواج کے مطابق سات پھیرے لگوائے جاتے ہیں، اور اکثر اوقات ان لڑکیوں کا قتل کر دیا جاتا ہے تاکہ واقعہ کو خودکشی قرار دیا جا سکے۔ اخبار میں آئے دن اس قسم کی خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ جس میں آدھا سچ اور آدھا جھوٹ ہوتا ہے۔

یا سرے سے خبر کے موضوع کو ہی بدل دیا جاتا ہے۔ مگر یہ بات تو مبنی بر حقیقت ہے کہ لڑکیوں کو دین وایمان سے بے زار کر کے ہندو مذہب میں داخل کیا جا رہا ہے۔

اس مسئلے کی ایک بڑی وجہ مرد وزن کا اختلاط ہے، جو تعلیمی اداروں، ملازمتوں، اور سوشل میڈیا کے ذریعے بڑھتا جا رہا ہے۔ اختلاط نے لڑکیوں کے لیے بے راہ روی کے دروازے کھول دیے ہیں، اور موبائل انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے غلط استعمال نے اس مسئلے کو مزید سنگین بنا دیا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی خلوت گاہیں اب بے حیائی اور عریانی کا مرکز بن چکی ہیں، اور اس اختلاط کے باعث محبت اور دوستی کے نام پر بے حیائی عام ہو رہی ہے۔

والدین کی طرف سے اس بے راہ روی پر توجہ نہ دینا، یا ان باتوں کو معمولی سمجھنا، جہیز اور شادی کے کثیر اخراجات سے بچنے کے لیے لڑکیوں کا خود شوہر تلاش کرنا، اور بنیادی دینی تعلیم کی کمی یہ ساری وجوہات اس صورت حال کو بگاڑ رہی ہے۔

حال یہ ہیکہ والدین اور گارجین اپنی بیٹیوں کی تربیت اور ان کی نگرانی میں غفلت برتتے ہیں، اور زیادہ تر والدین اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ ہماری بچی تو ابھی چھوٹی ہے اس کی عمر ہی کیا ہے۔

تو اس صورت میں لڑکیاں بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ ''میرا جسم میری مرضی'' جیسے قانونی فیصلے نے بھی بے راہ روی کو قانونی حیثیت دے دی ہے، جس کی وجہ سے لڑکیاں سماجی خوف سے آزاد ہوگئی ہیں اور اپنی من مانی پر اتر آئی ہیں۔

یہ بے راہ روی تاخیر سے شادی کی وجہ سے بھی بڑھ رہی ہے۔ اور ارتداد کی نئی لہر پیدا ہو رہی ہے۔ خاص طور پر بنارس میں ارتداد جیسے سنگین فتنے تیزی سے پھیل رہے ہیں، جہاں غیر مسلم عناصر اپنی مہمات میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے لڑکیوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں اور ان کی مذہبی شناخت کو تبدیل کر رہے ہیں۔ اس تناظر میں، ضرورت ہے کہ مسلم معاشرے کے تمام طبقات مل کر اس فتنہ کے تدارک کے لیے اقدامات کریں۔

اس ضمن میں، علماء اور مفتیان کرام دینی بیداری مہم اور اصلاحی پروگرام کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ ہم سب کو چاہیے کہ ان کی طرف سے جاری کردہ ہدایات کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔ اور والدین کو بچیوں کی تعلیم و تربیت، اور سوشل میڈیا کے استعمال پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح ذمہ داران کیلئے لڑکیوں کی علیحدہ تعلیم کے انتظامات اور کالج قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک اور بات قابل غور ہے وہ یہ ہیکہ لڑکیوں کو وراثت میں حصہ دینے اور ان کو ان کے حق سے محروم کرنے کے مسائل پر بھی توجہ دی جائے۔

اگر کسی علاقے میں ارتداد کی نئی لہر آئی ہو تو مقامی سطح پر سروے کرایا جائے، اور گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی جائے۔ قانونی مدد حاصل کر کے لڑکیوں کی واپسی کو آسان بنایا جائے۔ علماء اور مفتیان کرام اس مسئلے کی جانب توجہ دے رہے ہیں اور امید ہے کہ جلد ہی اصلاح معاشرہ کی تحریکیں چلائی جائیں گی۔ اس مسئلے کا حل سماج کے ہر طبقے کے تعاون سے ممکن ہوگا، اور اس کے لیے سب کو مل کر کام کرنا ہوگا تا کہ ہماری لڑکیوں کی حفاظت کی جا سکے اور ارتداد کی اس لہر کا تدارک کیا جا سکے۔ ☆☆☆

رفعیہ نوشین۔ حیدرآباد دکن

نعت مبارک

اب تو لینے کو فرشتے بھی ہیں آنے والے
میرے سرکار ہیں طیبہ کو بلانے والے
باعث ناز کہ میں امتی سرکار کی ہوں
جان لیں قدر مری کاش زمانے والے
آپ کا صبر و تحمل تھا زمانے سے سوا
دشمن جاں بھی ہوئے جان لٹانے والے
سنتوں پر ہو عمل یہ بھی ضروری ہے بہت
صرف دعوے نہیں الفت کے دکھانے والے
وہ تھے دشمن کے لئے سخت اور آپس میں رحیم
اپنا سب کچھ تھے جو آقا پہ لٹانے والے
آپ کے شہر نے نوشیں کو نوازا ہے بہت
کاش اسباب بنیں پھر سے واں جانے والے

رفیعہ نوشین-حیدرآباد

عمدہ اورانوکھی کتاب شاہین باغ کے نغمے کی رسم اجراءتقریب کا انعقاد

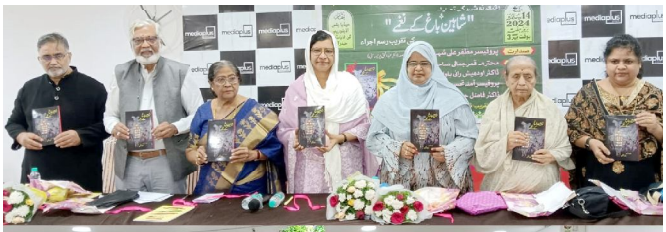

شاہین باغ کے نغمے ایک عمدہ اور انوکھی کتاب ہے -عمدہ اس لئے کہ ایک واقعہ پر ایک وقت میں شاعری کے تمام اصناف کواس میں شامل کیا گیا ہے- انوکھی اس لئے کہ میں خود بھی احتجاج میں پیش پیش رہتا تھا - لہٰذا شاہین باغ کے نغموں میں، میں خود کو ڈھونڈتا رہا- اور پھر یہ احساس ہوا کہ کاش یہ کتاب میں مرتب کرتا- رفیعہ نوشین نے میرا حق مارلیا"-

ان خیالات کا اظہار پروفیسر مظفر علی شہہ میری نے "شاہین باغ کے نغمے" کی رسم اجراء کے صدارتی خطاب میں کیا - ہمراہی ٹرسٹ کے زیر اہتمام اس تقریب کا انعقاد 14 ستمبر 2024 کو میڈیا پلس آڈیٹوریم میں کیا گیا تھا- مہمان خصوصی اودھیش رانی باوا صدر محفل خواتین نے کہا کہ "بیسویں صدی میں رفیعہ نوشین نے اردو ادب کو دو اہم دستاویزات" کوئی بات اٹھا نہ رکھنا" رپورتاژ کا مجموعہ اور "شاہین باغ کے نغے" عطا کئے ہیں- جو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں"-قمر جمالی معروف فکشن نگار نے کہا کہ رفیعہ نوشین نے "شاہین باغ کے نغمے" میں کثیر تعداد میں جو احتجاجی کلام جمع کیا ہے وہ کسی معرکہ آرائی سے کم نہیں- ان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جوٹھان لیتی ہیں وہ کر کے رہتی ہیں- یہ کتاب اسی کا نتیجہ ہے"

پروفیسر آمنہ تحسین صدر شعبہ تعلیم نسواں، مانو نے کہا کہ " شاہین باغ کے نغمے وہ نغمے ہیں جو حب الوطنی کے جذبات، مزاحمت اور احتجاج سے بھرپور ہیں- جو ایک قومیت کا تصور دیتے ہیں- جو آپسی بھائی چارگی، اتحاد، اور مشترکہ تہذیب کی ترجمان ہیں ،ادب کا یہ سرمایہ بے حد اہم ہے- جسے رفیعہ نوشین نے جمع کرکے ترتیب دیا اور اسے ضائع ہونے سے بچا لیا"- گواہ ویکلی کے مدیر فاضل حسین پرویز جو رفیعہ نوشین کی تحریروں سے بہت متاثر ہیں کہا کہ "نوشین کے معنی مصری کے ہیں-لیکن شاہین باغ کے اس کتاب کے مقدمے میں جگہ جگہ کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے -وہ عصر حاضر کی 'ابن بطوطہ 'ہیں"- پروگرام کا آغاز طالب علم شبیر علی کی قرۃ کلام پاک سے ہوا، حمد ڈاکٹر عطیہ مجیب عارفی نے پیش کی نیز صدر جلسہ پروفیسر مظفر شہہ میری نے خود کی لکھی نعت شریف مترنم آواز میں سنائی - پروگرام کے دوران وقفہ وقفہ سے کالج کے طالب علموں نے کتاب میں موجود کلام کو پیش کیا جسے خوب سراہا گیا- ڈاکٹر گل رعنا نے بہترین پیرائے میں نظامت کے فرائض انجام دئے - آخر میں پروگرام میں حصہ لینے پر طالب علموں کو مومینٹو پیش کئے گئے -

کثیر تعداد میں صاحب کتاب کی گل پوشی وشال پوشی کی گئی- انہی کے شکریہ کے ساتھ پروگرام اختتام کو پہنچا -اس پروگرام میں صاحب کتاب کے رشتہ دار، دوست احباب، اراکین محفل خواتین- اوران کے اسٹاف ممبرس کی کثیر تعداد موجود تھی- اس کے علاوہ حیدرآباد کے علمی وادبی شخصیات جیسے کہ ریختہ نامہ کے مدیر ڈاکٹر جاوید کمال، جاوید محی الدین، ڈاکٹر حمیرہ سعید، صائمہ متین، بصیر خالد، آرزو مہک، تجمل فاطمہ، ڈاکٹر ناظم علی، اظہر النساء وغیرہ شامل تھے- ان کے علاوہ محبان اردو کی کثیر تعداد موجود تھی-

آل انڈیا بزم رحمت عالم کا جلسہ میلاد النبی ﷺ

رپورٹ: نصراللہ خان، حیدرآباد

آل انڈیا بزم رحمت عالم کے زیر اہتمام میلاد النبی صلی علیہ وسلم 12 ربیع الاول کے موقع پر رحمت عالم پیس ایوارڈ۔ 2024 ممتاز صحافی روہیت اوپادھیاے (دہلی) کو خواجہ منشن فنکشن ہال حیدرآباد میں جناب ایم اے مجیب ایڈوکیٹ صدر بزم اور مولانا سید متین علی شاہ قادری خطیب عیدگاہ گنبدان قطب شاہی کے ہاتھوں دیا گیا۔اس موقع پر مرد وخواتین اور طلباء و طالبات کی کثیر تعداد موجود تھی۔ شہر کے صحافیوں نے جناب روہیت اوپادھیاے کی حیدرآباد آمد اور ان کی ملظلوموں کی حمایت اور کاوش پر کہ انھوں نے فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیل کی مسلسل دہشت گردی اور بمباری پر جو تباہی مالی و جانی حیثیت سے نقصان کا سامنا کرنا پڑا اس کے خلاف اپنے قلم اور ویڈیوز کے ذریعہ شدید مذمت ومخالفت کررہے ہیں انھیں مبارکباد دینے والوں میں کئی طلباء ونوجوانوں کے ساتھ صحافی محمد نصراللہ خان جناب مقبول انا جرنلسٹ محمد علیم الدین علیم اسٹایل فوٹو جرنلسٹ اور دوسرے ہیں۔ جناب روہیت اوپادھیاے جن کا تعلق دہلی سے ہے کہا کہ اسرائیل نے کبھی امن و پیار کی تعلیم نہیں دی ان کے نزدیک ملکوں کی تباہی اور انسانیت کا خون خرابہ کرنا ہے۔انھوں نے اول فلسطین کے ساتھ دوستی کی اور معاہدات کیے جس کے لیے فلسطین نے انھیں اپنے پاس پناہ دی اور وہاں انھوں نے کالونیز قائم کیے آج ان ہی پر ظلم و بربریت کے ساتھ قابض ہوکر

جانوں و املاک کے ساتھ کھلواڑ کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی ظالمانہ روش کے بناء ظلم وتباہی مچا کر بستیاں کی بستیاں تباہ کرتے ہوئے فلسطینیوں کو بے گھر کر دیا وہ خودغرضی اور شیطانیت پر اتر آیا مگر ایک وقت آئے گا اس کی شیطانیت اور دہشت گردی کا ضرور خاتمہ ہوگا۔ انھوں نے کہا توپ میزائل اور بندوقوں کے ذریعہ چاہتا ہے کہ امن وامان قائم کیا جائے اگر امن کیے قیام کے وہ اتنا ہی متمنی ہو تو اسے رسول کریم صلی علیہ وسلم کی سیرت کو اپنانا اور پڑھنا ہوگا جس طرح آپ نے عرب کی سرزمین پر امن قائم کر کے دکھایا۔ اوراپنے ویڈیوز اور یوٹیوب کے ذریعہ جو پیغام دے رہے ہیں اس کی سراہنا کی اور جو لوگ فلسطینیوں کے ساتھ اظہار یگانگت کر رہے ہیں اور اس ظالم کے خلاف اپنی آواز کو دوستان سے بلند کیے ہوئے ہیں وہ غیر معمولی طور پر اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر اس ملک روہیت اپادھیائے جیسے فرد قلمکار وصحافی اور جو عالم کی حالات پر نظر رکھے ہوئے ہے ان کی اس بے باکی سے ان ظالوں کا منھ توڑ جواب دیا جا سکے گا اور ظالم کی تمام چالیں سرنگوں ہو سکے گی۔ جناب روہیت اوپادھیائے ایک ہندوستانی صحافی ہیں اس کے ساتھ وہ یوٹیوبر بھی ہے اپنے یوٹیوبس کے ذریعہ ملک کے ماحولیاتی مسائل صحت عامہ بلخصوص اقلیتوں کے حقوق پر ان کی گہری نظر ہے۔ انھوں نے 2015 میں ٹی وی آج تک کے ذریعہ اپنے صحافت کے کیریئر کا آغاز کیا اور نو بھارت ٹائمز اور نیوز 18 انڈیا کیساتھ کام کیا وہ 2019 میں آزاد صحافی کی حیثیت سے انڈین میگزین اور بی بی سی ہندی journalist fund europe google news intiative کے گرانٹی بھی ہیں اور دنیا بھر میں آزادانہ صحافیوں کے لیے یوٹیوبر کے تحقیقی پروگرام کے لیے منتخب کردہ 49 صحافیوں میں سے یہ ایک ہیں۔ انھوں نے اپنے سوشیل میڈیا پر مختلف مسائل کو لے کر 400 کہانیاں لوڈ کی ہیں اوران کے دیکھنے والے 10 لاکھ سے زائد ہیں۔

☆☆☆

محمد یاسین ہابیلؔ (حیدرآبادی) بمقام: ڈیلاس، امریکہ

غزل

وہ سِتم پر سِتم ہم پہ کرتے رہے
ہم خوشی سے ہر اِک غم کو سہتے رہے

ہم کو جب بھی گرانے کی کوشش ہوئی
لیکے نام خدا ہم سنبھلتے رہے

حُسن کی شمع روشن رہی رات بھر
ہم تو پروانے اس کے تھے جلتے رہے

آگ کس نے لگائی گلستان کو
کھوکے ہم آشیانہ تڑپتے رہے

سلسلہ عشق کا یونہی جاری رہا
اُن سے ملتے رہے اور بچھڑتے رہے

کیسے بتاؤں کیا ہے سراب خوشی
جس کی خاطر سبھی ہم بھٹکے رہے

اب ہواؤں کا رُخ مختلف سمت ہے
ہم تو بازو کی طاقت پر اُڑتے رہے

خود ہی منزل نے بڑھ کر پکارا ہمیں
ہم تری رہگزر پر جو چلتے رہے

ہم کو آیا نہ ہابیل خوفِ زوال
جب عروجِ خوشی میں بہکتے رہے

اللہ رب العزت کی طاقت بہت بڑی ہے اس کو سمجھنے کے لئے علم لازم ہے

الکریم ٹرسٹ کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد وانعامات سے علماء کا خطاب

تصویر میں الکریم ٹرسٹ کے چیئر مین الحاج عبدالکریم متولی مسجد اشرف کریم حضرت رحمٰن جامی ایوارڈ حاصل کرتے ہوئے۔

3 ستمبر 2024 بروز منگل بعد نماز مغرب مسجد اشرف کریم، نو نمبر کریم مشک محل کالونی، کشن باغ حیدرآباد میں سالانہ جلسہ وتقسیم اسناد وانعامات کا انعقاد کیا گیا، جس کی نگرانی مسجد اشرف کریم کے متولی اور الکریم ٹرسٹ کے چیرمین الحاج محمد عبدالکریم صاحب نے کی، متولی وچیرمین نے مسجد اشرف کریم مکتب، ٹیلرنگ سینٹر، سماجی، ملی خدمات کا احاطہ کیا، انہوں نے بتایا کہ مسجد اشرف کریم اور اس کے متعلقہ عمارت میں تعلیم وہنر کی تعلیم وٹرینگ دی جاتی ہے، تقریباً 350 بچے بچیاں بعد نماز عصر ومغرب میں مکتب سے وابستہ ہیں، مسجد اشرف کریم کے متصل خواتین کے لئے ٹیلرنگ سینٹر قائم کیا گیا جس سے سو 100 سے زائد خواتین استفادہ کررہی ہیں، الکریم ٹرسٹ کے تحت آدھار کارڈ اور دیگر سماجی امور میں رہنمائی کی جاتی ہے، بیوہ غریبوں کے لئے راشن کٹس کا اہتمام کیا جاتا ہے، مسئلہ مسائل اور شرعی امور کے لئے باقاعدہ طور پر مسجد اشرف کریم میں دارالقضاء صفا سینٹر کا قیام ہے۔ الغرض یوں کہا جاسکتا ہے کہ مسجد اشرف کریم صرف حیدرآباد تلنگانہ ہی میں نہیں بلکہ پورے ملک میں ایک نمونہ فراہم کرتی ہے، کیونکہ تعلیم وہنر ملّی وشرعی رہنمائی مسجد نبویؐ وصفہ کی یاد ہے، اے کاش کرڑوں کی بنی ہوئی تمام مساجد میں مسجد اشرف کریم جیسا کام ہو تو ملّت کے لئے بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ مہمان خصوصی مولانا مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد نے خطاب کرتے ہوئے مسجد اشرف کریم ٹرسٹ کی خدمات کو مثالی قرار دیا اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا احاطہ فرمایا اور پیغام مصطفی ﷺ کو سمجھنے کی تلقین کی۔ طلباء وطالبات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی طاقت بہت بڑی ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے اور آپ لوگ مستقبل کے معمار ہیں اس وجہ سے محنت، ادب وقت کی قدر کرتے ہوئے اپنی زندگی گزاریں۔

حضرت مولانا صوفی خیرالدین صوفی آل انڈیا صوفی علماء کونسل نے سر پرستوں کو عمدہ تربیت اور اچھے نام رکھنے کی تلقین کی۔ مفتی مجاہد خان قاسمی استاذ دارالعلوم رحمانیہ مفتی دارالقضاء نے اچھی صحبت اختیار کرنے اور اس کے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں بہترین خطاب کیا۔

حضرت مولانا مفتی غلام محمد نوید الرحمان صاحب قاسمی سرپرست مکتب اشرف کریم نے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر پُرمغز روشنی ڈالی۔ اس بابرکت جلسہ میں طلبہ وطالبات نے اپنا تعلیمی مظاہرہ پیش کیا، سامعین وحاضرین نے طلبہ وطالبات کی پذیرائی کی، اس موقع پر سالانہ امتحان میں امتیازی نمبر سے کامیاب ہونے والے طلبہ وطالبات کو انعامات، مومنٹو وغیرہ علماء کرام مہمان عظام کے دست مبارک سے نوازا گیا، آخر میں خطیب مسجد اشرف کریم مولانا حبیب الرحمٰن حسامی صاحب کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

بزم سرور کونین کے زیر انتظام جلسہ سیرت النبی صل اللہ علیہ وسلم اور نعتیہ مشاعرہ کا انعقاد عمل آیا ہے

مقررین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر روشنی ڈالی اور اسے مشعل راہ بنانے کی تلقین کی، بزم سرور کونین کے معتمد تشکیل رزاقی صاحب شکریہ اور مبارک باد کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بہترین بدلہ دے آمین ثم آمین تصویر میں سہیل عظیم مشہور ناظم مشاعرہ، مولانا مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد مولانا محمد زعیم الدین حسامی معتمد سراج العلماء اکیڈمی ڈاکٹر محمد ناظم علی، سراج یعقوبی، تشکیل احمد رزاقی وغیرہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر
UNANI CENTER FOR CARDIAC CARE

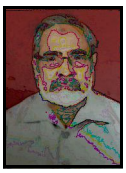

Consultation Time
Morning:9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

Regd. No. 180/2016

مدرسہ ومسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیْرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ ۔تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرما کر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجد الٰہی

زیر انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیّرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مخیّرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔مسجد الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر انتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے،اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کر کے حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں۔

جزاك الله خيرًا أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number** : 1327104000065876
A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar
G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد